یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم هیں

مو منین بهی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے هیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

۷۸۶

۹۲_۱۱۰

یا صاحب الزّماں ادرکنیؑ

DvD Version

Knowledge for All

SABIL-E-SAKINA

یا عباسؑ

لبیک یا حُسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL

فہرست مضامین کفایت الواعظین (حصہ سوم)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	انتساب	۵
۲	پیش لفظ	۷
۳	خطبہ	۱۲
۴	سیرت باطنی	۱۳
۵	رضائے الٰہی	۲۵
۶	کتاب فطرت	۴۰
۷	صراط مستقیم	۴۳
۸	حق اور پیروی نفس	۹۶
۹	فضائل قرآن	۱۱۶
۱۰	کمال دین	۱۳۰
۱۱	مباہلہ	۱۵۶
۱۲	خواتین کربلا کا مظاہرہ کمال یقین	۱۷۵
۱۳	امتحان	۱۸۰

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

☆ کتاب — کفایت الواعظین (حصہ سوم)

☆ مرتبہ — ڈاکٹر افضال حسین

☆ ناشر — خلیفہ سید حسن مہدی

☆ پروف ریڈنگ — مسرور نقوی، مظہر عباس جعفری

☆ تاریخ اشاعت — ۲۲ ذی الحج ۱۴۱۶ھ

☆ کمپیوٹر کمپوزنگ — ایم یو کمپوزنگ ایسوسی ایٹس، ۵ دربار مارکیٹ لاہور

☆ مطبع — شفاف پرنٹرز لاہور

☆ تعداد — دو ہزار

☆ قیمت — ۳۵/- روپے

☆ ملنے کا پتہ — گلستان زہرا، ۳۶ ایبٹ روڈ لاہور، افتخار بک ڈپو اسلام پورہ لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

☆ کتاب	کفایت الواعظین (حصہ سوم)
☆ مرتبہ	ڈاکٹر افضال حسین
☆ ناشر	خلیفہ سید حسن مہدی
☆ پروف ریڈنگ	مسرور نقوی
	مظہر عباس جعفری
☆ تاریخ اشاعت	۲۴ ذی الحج ۱۴۱۱ھ
☆ کمپیوٹر کمپوزنگ	ایم یو کمپوزنگ ایسوسی ایٹس
	۵ دربار مارکیٹ لاہور
☆ مطبع	شفاف پرنٹرز لاہور
☆ تعداد	دو ہزار
☆ قیمت	۴۵/- روپے
☆ ملنے کا پتہ	گلستان زہرا' ۳۶ ایبٹ روڈ لاہور
	افتخار بک ڈپو اسلام پورہ لاہور

گلستانِ زہرا کی ایک اور فخریہ پیشکش

کفایتُ الواعظین

(حصّہ سوم)

مرتبہ : ڈاکٹر افضال حُسین

ناشر: خلیفہ سیّد حسن مہدی

مجموعہ تقاریر

رئیس المقاظ علامہ حافظ کفایت حُسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

انتساب

وزیر الدولہ مدیر الملک خلیفہ سید محمد حسن مرحوم و مغفور

(وزیر اعظم ریاست پٹیالہ)

☆......... مصنف اعجاز التنزیل ....☆

کے نام نامی سے معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں

افضال حسین

بسمہ سبحانہ ۝

"پیش لفظ"

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس نے حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کو اپنی بہترین حجت ' معرفت کا ذریعہ اپنے اور تمام کائنات کے درمیان واسطہ قرار دیا اس ذات واجب کا جتنا بھی شکر ادا کروں ' کم ہے ۔ جس کی بے پایاں عنایات و توفیقات سے رئیس الحفاظ علامہ حافظ کفایت حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ کے خطابات جو میرے پاس بطور امانت تھے ' ان کی تیسری قسط بھی قدرداں حضرات کے سپرد کر رہا ہوں ۔

علمی لحاظ سے ایسی بلند پایہ شخصیت کی تقاریر کو تحریری جامہ پہنانا ' مجھ ایسے عدیم الفرصت اور کم علم انسان کے لئے اس قدر کٹھن تھا کہ توفیق ایزدی اور تائید صاحب العصر شامل حال نہ ہوتی ' تو یہ کام کبھی سرانجام نہ پاتا ۔ ان تقاریر کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں ' میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ علامہ موصوف کا طرز تکلم ' انداز بیاں اور موضوع کا تسلسل برقرار رہے ۔ محترم قارئین اس کا اندازہ فرمالیں گے ۔

مومنین کرام ! انتہائی دکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ کچھ ہی عرصہ پہلے ' ہم جس طرح نظریاتی اور فکری اعتبار سے متحد اور یک جان تھے ' آج ویسے نہیں رہے ۔ خالص مادی رجحانات اور اہل علم وبصیرت کی کمی نے ہمیں محمد و آل

محمد علیہم السلام کی سیرت باطنی کی صحیح معرفت اور ان کے حقیقی علوم و معارف سے کوسوں دور کر دیا ہے۔ وہ مسلمات جو ہمارے عقائد کا لازمی جزو اور شرط شیعیت تھے، بعض نام نہاد اہل علم نے اپنے درپردہ عزائم کو پورا کرنے کے لئے ان کو ہدف تنقید بنا کر، ایسی بحثوں میں الجھا دیا ہے، جس سے پوری ملت جعفریہ علمی اور عملی طور پر دو حصوں میں بٹ کر رہ گئی ہے۔ اس مقام پر ان عقائد کا اجمالاً تذکرہ بے محل نہ ہوگا، جن کو قبلہ رئیس الحفاظ نے اپنے مخصوص منطقی استدلال سے اس طرح واضح کیا ہے، کہ کسی قسم کا ابہام باقی نہیں رہتا، اور عظمت محمد و آل محمد علیہم السلام دل نشین ہو جاتی ہے۔

حقیقت محمدیہ کو اول مخلوق تسلیم کرنا شرط ایمان ہے۔ چہاردہ معصومین اسی حقیقت کے اجزا اور کمالات کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں۔ ان کے ساتھ کسی بھی مخلوق کا قیاس بعید از عقل ہے۔ چونکہ دہر اور زمانے سے پہلے بنے، اس لئے تغیرات اور حوادث زمانہ ان پر اثر انداز نہ ہونگے۔ یہ اس وقت بھی تھے جب زمانہ نہ تھا، اور اس وقت بھی رہیں گے جب تمام کائنات نہ رہے گی۔

یہ حضرات پروردگار عالم کی ایسی افضل ترین اور اعلیٰ ترین مخلوق ہیں کہ عالم امکان میں ان جیسا یا ان سے بہتر بننا، ممکن ہی نہ تھا۔ چونکہ اول مخلوق ہیں اس لئے لا شئے سے بنے ہیں اور بے عیب ہیں۔ اگر ان میں کوئی عیب فرض کر لیا گیا، تو وہ خدا کی ذات تک پہنچ جائے گا۔ اس لئے کہ یہ اس کی بلا واسطہ مخلوق ہیں۔

محمد و آل محمد علیہم السلام روح القدس کے مالک ہیں، جس کو مَلک سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ اس روح کی کامل ترین فرد ان حضرات کو تخلیق کے ساتھ عطا ہوئی۔ باقی انبیاء میں بھی یہ روح ہے مگر قوی نہیں۔ روح القدس کا حامل ہونا، دلیل ہے اس امر کی کہ ان کی نوع عام انسانوں سے جداگانہ ہے

ان حضرات کا علم ہماری طرح تدریجی نہ تھا۔ چونکہ مخلوق اول ناقص نہیں ہو سکتا، لہٰذا اگر قرآن کی کوئی حقیقت اس میں نہیں، تو اتنا نقص لازم آئے گا۔ اس لئے حقیقت قرآن اور حقیقت محمدیہ ایک ہی چیز ہے۔ صرف مظہریت جُدا جُدا ہے۔

حقیقت وماہیت پروردگار کا جاننا محال ہے اسی طرح اس کی صفات کی، حقیقت کا سمجھنا، ہمارے بس کی بات نہیں۔ اس لئے کہ اس کی صفات اس کی ذات سے جدا نہیں۔ البتہ اس کی عظیم مخلوق میں غور وفکر کرنے سے اس کی کچھ معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر اس کی عظمت دیکھنا چاہتے ہو، تو اس کی عظیم مخلوق کو دیکھ کر اس کی عظمت کو پہچانو۔ جب اس کی عظیم مخلوق میں یہ عظمت ہے، تو خود اس کی ذات میں کیا ہو گی۔ لہٰذا یہی حضرات معصومین اس کے معرفت کا ذریعہ یعنی تمام صفات جلال و جمال کا مظہر کامل ہیں۔

اگرچہ خدا کا وجود بالذات ہے اور ان حضرات کا وجود بالغیر ہے۔ مگر دونوں کی حقیقتوں کا ادراک ہمارے افہام سے بلند ہے۔ جیسا کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "خدا کو نہیں پہچانا کسی نے مگر میں نے یا علیؑ نے۔ اور مجھے نہیں پہچانا کسی نے مگر خدا نے یا علیؑ نے اور علیؑ کو نہیں پہچانا کسی نے مگر خدا نے یا میں نے۔" محمد و آل محمد کی تھوڑی بہت معرفت جو ہماری عقل کی بساط میں ہے۔ وہ صرف اجمالی ہے۔ کائنات میں ایسی چیزیں موجود ہیں۔ جن کی حقیقت تک رسائی ہماری دسترس سے باہر ہے۔ لیکن ان پر ایمان ہے۔ مثلاً ارواح، ملائکہ، جنات یا برزخ وغیرہ۔ بہرحال یہ ماننا کہ ان ذوات مقدسہ کا تمام کائنات پر اقتدار اور تصرف ہے، ضروریات ایمان سے ہے۔ اس لئے کہ ہر شے انہی کے لئے مسخر ہوئی ہے۔

اس قسم کے دیگر مباحث جو عقائد اور معصومین کی معرفت سے متعلق ہیں ' ان تقاریر کو پڑھ کر خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔

کفایت **الواعظین** کی اشاعت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ عہد سابق کے ایک جید عالم دین جس کی تبحّر علمی اور مذہبی حیثیت پوری قوم کے نزدیک غیر متنازعہ تھی ' کی تقاریر کو منظر عام پر لاکر مُسلمات مذہب حقہ کو دوبارہ اجاگر کیا جائے۔ اور علامہ موصوف کے علمی اثر و نفوذ کے ایک ایسے سلسلے کا آغاز کیا جائے ' جو ان کے ماضی کی طرح پر شکوہ اور تابناک ہو۔

اس مجموعے میں شامل تقاریر زیادہ تر وہی ہیں جو قبلہ حافظ صاحب نے اندرون لاہور الطاف منزل پر یا راقم الحروف کی رہائش گاہ واقع گلبرگ پر ۱۹۶۰ء سے لے کر ۱۹۶۲ء تک فرمائیں ہیں۔ سیرت باطنی کے موضوع پر آپ کی تقریر جلسہ سیرت النبی منعقدہ ربیع الاول ۱۹۶۱ء بمقام قلعہ گوجر سنگھ لاہور ریکارڈ کی گئی۔

ارادہ ہے کہ اس جلد کی اشاعت کے بعد ' کچھ مکمل اور کچھ نامکمل تقاریر کے کیسٹ جو حال ہی میں بعض مومنین سے ملے ہیں ' وہ بھی ترتیب دے کر بصورت حصہ چہارم شائع کروا دوں مگر شرط یہ ہے کہ آپ حضرات حسب سابق میرے لئے اور اس کتاب کے ناشر خلیفہ سید حسن مہدی صاحب کے لئے خصوصی دعائیں کرتے رہیں گے۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ یہ حقیر کوشش بارگاہ معصومین میں مقبول ہو کر ہمارے لئے قرب الٰہی کا ذریعہ قرار پائے

میں قارئین سے جناب شجاع الحسن صاحب ' جناب مظہر عباس جعفری صاحب اور **سرور نقوی** صاحب کے لئے بھی دعا کا طالب ہوں جو اس کتاب کی اشاعت ' طباعت اور پروف ریڈنگ میں میرے ممد و معاون رہے۔

اس سے پیشتر کفایت **الواعظین** حصہ اول کی دوسری مجلس بعنوان " زمین

"ہم ریلیز کر چکے ہیں اس مرتبہ دو مزید تقاریر 'درود و سلام اور مجلس شام غریباں کے کیسٹس تیار ہیں۔ آپ انہیں گلستان زہرا ۳۶ ایبٹ روڈ لاہور یا افتخار بکڈپو اسلام پورہ لاہور سے منگوا سکتے ہیں۔

بیگم کرنل اسلم مرحوم نے کفایت الواغظین (حصہ دوم) کی ایک ہزار جلدیں خرید کر اپنے مرحوم شوہر کے ایصالِ ثواب کے لئے تقسیم فرمائی ہیں۔ مومنینِ کرام بھی ترویج دین اور اشاعتِ علومِ آلِ محمدؐ کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے کوئی ایسا ارادہ فرمائیں تو ہم ہر ممکن تعاون کے لئے حاضر ہیں۔

گناہگار
ڈاکٹر افضال حسین ہومیوپیتھ
۴۵ - ایل گلبرگ لاہور۔
۲۴ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ

وَالْجَنَّةُ لِلْمُطِیْعِیْنَ وَالنَّارُ لِلْمُلْحِدِیْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ

وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ

خَیْرِ الْمُبَشِّرِیْنَ وَالْمُنْذِرِیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ

نَبِیِّنَا اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ

الْمَعْصُوْمِیْنَ الْھُدَاةِ الْمَھْدِیِّیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ

فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی فِیْ

کِتَابِہِ الْمُبِیْنِ۔

"سیرت باطنی"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وما ارسلناک الا رحمتہ اللعالمین

حضرات کسی شخص کی سیرت کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے صفات باطنی اور صفات ظاہری بیان کئے جائیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ انبیائے کرام اور ان کے نبی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت یعنی صفات باطنی و ظاہری کو بیان کرتے وقت ، پہلے اگر کچھ صفات باطنی معلوم ہو جائیں تو صفات ظاہری پر ایک خاص قسم کی روشنی پڑ سکتی ہے۔ یہ اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ یہ صفات ظاہری یا افعال ظاہری بہت سے لوگوں میں مشترک ہونے کی حیثیت سے صفات باطنی پر اچھی طرح روشنی نہیں ڈال سکتے۔ لیکن اگر صفات باطنی کچھ معلوم ہو جائیں تو پھراس سے اندازہ ہو سکتا ہے ان افعال ظاہری کا جن کو عام طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

میں ایک مثال آپ کی خدمت میں عرض کروں۔ بہت سے لوگوں کو آپ نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ ایک وہ بھی نماز پڑھ رہا ہے جو ریاکاری کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے اور ایک وہ بھی پڑھنے والا ہے جو خلوص سے پڑھ رہا ہے۔ لیکن اس کی نماز صرف اس حد تک محدود ہے کہ ارکان ضروری جو ہیں وہ صرف ادا ہو رہے ہیں اور ایک وہ شخص ہے کہ جو نماز کی صفات خاص ہیں وہ بھی واقعی حیثیت سے اس میں پائے جاتے ہیں ایک وہ شخص ہے کہ جس کی نماز ایک نماز کے برابر ہے اور ایک وہ ہے کہ جس کی ایک نماز ستر (۷۰) نمازوں کے برابر ہے

اور ایک وہ بھی شخص ہے کہ جس کی نماز سات سو (۷۰۰) نمازوں کے برابر ہے اور ایک وہ شخص بھی ہو سکتا ہے کہ جس کی ایک نماز تمام جہاں کی نمازوں کے برابر نہیں۔ بلکہ اس سے بھی افضل ہو سکتی ہے تو اب اس اعتبار سے اگر پہلے سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کس معرفت کے اوپر فائز ہے اور اس کی منزل حقیقی کیا ہے تو اس اعتبار سے آپ یہ کہنے کے حقدار ہو سکتے ہیں کہ اس کی نماز ویسی نہیں ہے جیسی عام لوگوں کی نمازیں ہوتی ہیں۔

ناقص کا مجموعہ ہمیشہ ناقص ہوا کرتا ہے یہ ایک مسلم چیز ہے ایک بی۔ اے کے مقابلے میں اگر پچاس میٹرک لا کر کھڑے کر دیں تو وہ پچاس کا مجموعہ بھی ایک بی۔ اے نہیں بن سکتا۔ ان پچاس کی جگہ اگر آپ سو لے آئیں تب بھی ان کا مجموعہ ایک بی۔ اے نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ سب کو پڑھا سکے گا۔ چونکہ بی۔ اے کے مقابلے میں یہ ناقص تھے ان ناقصوں کا مجموعہ بھی ناقص ہی ہوا۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جتنے لوگ جن کو امتی کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے وہ اس نبی کے مقابلے میں ناقص ہیں جس کی امت ہیں لہٰذا ان کے صفات باطنی اور صفات باطنی کے اوپر جو صفات ظاہری مرتب ہوں گے اس ایک کے مقابلے میں سب کے سب ناقص ہوں گے لہٰذا تمام امت کا مجموعہ بھی ایک نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تو جہاں سارے نبی مل کر امتی نظر آئیں تو اس نبی کے متعلق آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اس کی رفعت شان کیا ہو گی۔ اس کی نماز کیا ہو گی اور اس کا روزہ کیا ہو گا۔

دیکھئے یہ بات کہ میں ان کی شان بیان کروں تو اس سلسلے میں آپ یقین کیجئے اور میرے دل کی آواز یہی ہے کہ ان کی شان کا بیان کرنا تو انبیائے اولی العزم سے بھی ممکن نہیں۔ جس کا تصور ہی نہ ہو سکے ؎ اس کو کوئی بیان کیا کرے گا۔ ایک پانچویں جماعت کا طالب علم کبھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ چودھویں

جماعت میں جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں وہ کیا ہیں ۔ کیوں میرے بزرگو ٹھیک ہے یا نہیں ؟ اور اگر یہ تصور کر سکتا تو وہ پانچویں میں نہ ہوتا وہ چودھویں میں ہوتا وہ کبھی تصور نہیں کر سکتا ہے کہ اس میں ہوتا کیا ہے بس صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ صاحب 'مجھ سے زیادہ ہیں کچھ چیزیں' جو وہاں پڑھائی جاتی ہیں تو جس کی منزلت یہ ہو کہ جس کے مرتبہ کا تصور انبیاء کرام نہ کر سکیں جس کی شان یہ ہو کہ تمام انبیاء کا وہ نبی ہو اور تمام انبیاء اس کے امتی ہوں ۔ آپ اندازہ فرمایئے کہ یہ تمام امت کس طرح تصور کر سکتی ہے کہ وہ کیا ہیں ؟

میں ایک دوسرے طریقے سے عرض کروں ایک جانور کبھی تصور نہیں کر سکتا کہ انسان کیا ہے کیونکہ اس کا تصور موقوف ہے عقل پر ۔ جب عقل ہی نہیں تو وہ تصور کیا کرے گا ۔ حیوان جو ہے وہ صرف مادّی ہی ہے اس میں روح جو ہے وہ بھی روح مادّی ہے جب عقل ہی نہیں تو پھر اسے انسان کا کیا پتہ وہ تو صرف یہ جانتا ہے کہ ہے ایک مخلوق جو کبھی کبھی اُسے اپنے قبضے میں لے آتی ہے تو جس طرح حیوان انسان کا تصور نہیں کر سکتا ۔ اسی طرح انسان نبی کا تصور نہیں کر سکتا کیوں ؟ اس لیے کہ اس کا تصور موقوف ہے روح نبوتی ہونے پر ۔ جو انسان میں نہیں جس طرح سے کہ انسان کسی نبی کا تصور نہیں کر سکتا میں آپ کے سامنے یہ دعویٰ کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اسی طرح تمام انبیاءؑ کرام جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ وہ مالک ہیں روح کلی کے ۔ وہ مالک ہیں روح القدس کے کہ جو انبیاء کے پاس نہیں ہے اور اگر ہے تو جزئیت کی حیثیت میں ہے ۔

جس طرح ایک جانور کوشش کر کے انسان نہیں ہو سکتا کیونکہ عقل نہیں ہے ۔ جتنی بھی کوشش کرے گا وہ حیوانیت میں رہے گا کوشش سے عقل نہیں آتی ۔ بلکہ یہ عقل ایک الگ چیز ہے جو انسان کو خداوندعالم ودیعت کرتا ہے اسی

طریقے سے ایک انسان کتنی ہی کوشش کرتا رہے۔ نبی نہیں ہو سکتا اور اسی طرح جتنے بھی نبی ہیں اگر قیامت تک کوشش کریں تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نہیں بن سکتے اس لیے کہ یہ نوعیں الگ الگ ہیں تو حضور والا جس کی منزل یہ ہو اب آپ بتلایئے کہ ہم یا آپ بلکہ نبی یہ کہیں کہ ہم ان کی شان کو بیان کر سکتے ہیں میرے خیال میں یہ ایک غلط چیز ہو گی۔

بہرحال میں یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح سے پروردگار عالم کا تصور کچھ نہ کچھ تو ہے نا۔ پڑھے لکھے حضرات میرے اوپر اعتراض نہ کریں اگر تصور نہ ہوتا خدا کا تو ہم عبادت کس طرح کرتے۔ یہ جب ہم کہتے ہیں کہ خدا عالِم ہے تو یہ جو عالِم ہونے کا حکم ہم نے لگایا ہے۔ بتلایئے بغیر تصور حکم ہو سکتا ہے؟ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ وہ رازق ہے کیا یہ بھی بغیر تصور کے ہے؟ مگر بات کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ تصور کی ہیں چار قسمیں جن کی توضیح کا یہ وقت نہیں۔ کسی شخص کے دماغ میں یہ نہ آئے کہ یہ خدا کے تصور کا قائل ہے میں **بالکنہہ** اور **بالوجھہ** کا قائل نہیں۔ بہرحال ایک ہلکا سا تصور جناب رسالت مآب روحی و ارواح العالمین لہ الفدا کے متعلق چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے پیش کروں۔

ارشاد ہوتا ہے۔ ذرا غور سے سماعت فرمائیں۔ تمام دنیا کی جتنی چیزیں ہیں ان سب کو جمع کر لیا ہے پروردگار عالم نے ان دو لفظوں میں (**وما ارسلناک الا رحمتہ اللعالمین**) "اے میرے حبیب ہم نے تمہیں اس حالت میں بھیجا کہ تم عالمین کے لیے رحمت ہو" یہ نہیں کہ جب بھیجا تو بنا کر بھیجا۔ بلکہ آئے تو رحمت تھے یہ نہیں کہ جب آئے تو اس وقت رحمت بنایا۔ نہیں۔ آئے تو اس حالت میں آئے کہ تھے ہی رحمت۔

ذرا غور فرمائیں۔ عالِم جاہل ہو سکتا ہے اور جاہل عالِم ہو سکتا ہے لیکن جہل علم نہیں ہو سکتا اور علم جہل نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص جاہل تھا ایک وقت

آیا کہ پڑھ لکھ کر عالم بن گیا عالم بننے کے بعد ایک دماغی بیماری پیدا ہو گئی کہ سب کچھ بھول گیا۔ رہ گیا جاہل کا جاہل۔ لیکن انقلاب حقیقت نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ علم جہل بن جائے حقیقت علم، حقیقت جہل نہیں بن سکتی پروردگار علم نے جناب رسالتماب کو بھیجا اور کس حالت میں بھیجا کہ وہ رحمت ہی رحمت تھے۔ ذرا بتلایئے مفہوم رحمت میں کوئی برائی ہو سکتی ہے؟ لفظ رحمت کا جو مفہوم ہے اس میں کوئی ایسی صفت کہ جو قابل مذمت ہو سکتی ہے؟ جب نہیں ہو سکتی تو رحمت ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ بے عیب ہوئے۔ اب رحمت کبھی ظلمت ہو سکتی ہے۔ نہیں ہو سکتی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ظلمت نہ تھے۔ نور ہی نور تھے۔

اسی طرح کیا کبھی رحمت، معاذ اللہ گمراہی میں مبتلا ہو سکتی ہے۔ یہ یاد رکھئے کہ کہ انقلاب حقیقت محال عقلی ہے۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا دوست دشمن بن سکتا ہے اور دشمن دوست ہو سکتا ہے لیکن دوستی دشمنی نہیں ہو سکتی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی شخص سے محبت بھی ہو اور اس کی کسی دوسری صفت سے نفرت بھی ہو۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ حقیقت محبت حقیقت نفرت بن جائے۔ خداوند عالم نے فرمایا کہ رحمت ہیں یہ، تو کیا رحمت کے مفہوم میں کبھی گمراہی کا شائبہ آسکتا ہے خبردار کبھی ایسا خیال نہ کرنا کہ نبی ہونے سے پہلے کبھی گمراہی کا شائبہ بھی تھا۔

جب عین رحمت تھے جناب رسالتمابؐ، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے اندر کوئی نجاست ہو۔ جسے نکالنے کی ضرورت پڑے۔ بلکہ وہ سر سے پاؤں تک طاہر ہی طاہر تھے۔

وہ وہ تھے کہ اگر ان کا لعاب دہن کسی تلخ اور کڑوے کنویں میں ڈال دیا گیا، تو وہ پانی شیریں بن گیا، اور رہا۔ اس کا مطلب فقط یہ نہیں ہے کہ پانی

شیریں ہو گیا۔ پانی کا کوئی مزہ نہیں۔ مثال میں کہا گیا ہے کہ زندگی کا ذائقہ ایسا ہے جیسا پانی۔ تو اصل میں یہ پانی کا ذائقہ بدلا ان تجاریب کی وجہ سے کہ جہاں سے یہ پانی چلتا ہے۔ زمین کے اندر سے گزرتا ہوا آتا ہے۔ کسی مقام پر اگر گندھک ہے تو اس کے اثرات لے لیتا ہے، کہیں نمک یا شورہ ہے تو ان کے اثرات کو لے لیتا ہے۔ یہ پانی جو اس کنویں میں کڑوا تھا، اور ایک قطرہ لعاب دہن سے شیریں ہو گیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تمام زمین کی حقیقت بدل گئی جہاں سے یہ پانی چلا آرہا تھا۔

میرا مطلب یہ ہے کہ عرض کروں سر سے پاؤں تک رحمت ہی رحمت تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں ان لوگوں کے سر سے عذاب اٹھا دیا گیا، کہ جو آپ کا کلمہ پڑھنے والے ہیں۔ اور ان کے طفیل میں اور لوگوں پر سے بھی عذاب اٹھا لیا گیا۔ ورنہ جب عِلّت مشترک ہو جائے تو معلول کا مشترک ہو جانا ضروری ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص مثلاً شراب خوری کی وجہ سے مسخ کیا جا سکتا ہے۔ کسی جانور کی شکل میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ تو اگر عِلّت یہ ہو شراب خوری، تو دوسرا شخص بھی اگر شراب پیئے گا تو اس پر بھی وہی عذاب ہونا چاہئے، کیونکہ عِلّت مشترک ہو گئی تو معلول بھی مشترک ہو جانا چاہیے۔ گناہ جو پہلی امتیں کرتی تھیں اور ان کی وجہ سے وہ مسخ ہو جاتے تھے تو آج کل کیا کم گناہ ہو رہے ہیں۔ کیا ویسے گناہ آج نہیں ہیں۔ آج تو حضور والا گناہ ایک فن بن گیا۔ پہلے زمانے میں کوئی گناہ ہوتا تھا تو سیدھے سادے طریقے سے۔ کیونکہ اس قدر چالاکیاں نہ تھیں کیا عرض کروں آپ سے اب تو ہر بری عِلّت ایک فن بن گئی۔ جب ان گناہوں پر وہ مسخ ہو گئے تو آج ان چالاکیوں کے ساتھ جو گناہ ہیں تو چاہئے تھا کہ یہ بھی معذب ہو جاتے، مگر چونکہ جناب رسالتمآب رحمتہ للعالمین بن کر آئے۔ اس لیے عذاب برطرف کر دیئے گئے اس دنیا میں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اور نبی رحمت نہ تھے۔ تھے مگر محدود رقبے کے لیے محدود لوگوں کے لیے، مگر جناب رسالتمآب جو رحمت قرار دیئے گئے وہ اس زمین کے لیے نہیں وہ اس نظام شمسی کے لیے نہیں بلکہ عالمین میں جو کچھ داخل ہے۔ اس سب کے لیے رحمت قرار دیئے گئے۔

اب یہ عرض کرنا بہت آسان ہو گیا، میرے لیے کہ اگر یہ رحمتِ پروردگار عالم واسطہ نہ ہو مخلوق اور خالق کے درمیان تو کیا کوئی چیز پیدا ہو سکتی ہے۔ عدم بری چیز ہے اور وجود اچھی چیز ہے۔ عدم سے وجود میں آنے کے لیے رحمت کا واسطہ ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا جو کچھ بھی عالم میں بنا بواسطۂ رحمت بنا اور رحمت قرار دیا ہے جناب محمد مصطفیٰؐ کو۔ اس کا مطلب یہ ہوا جو کچھ کائنات عالم میں بنا جس کا تصور ہم نہیں کر سکتے ہیں۔ وہ سب کچھ صدقہ اور طفیل ہے جناب رسالتمآبؐ کا۔ یہ ایک ہلکا سا تصور ہے میرے اس رسول معظّم کا۔

اب میں جب یہاں تک پہنچا تو کہنا چاہتا ہوں کہ اے میرے بزرگو لفظ رحمت نے یہ بتلا دیا ہے کہ کوئی عیب نہیں ہے۔ اور جس میں کوئی عیب نہ ہو وہ ہے پہلا مخلوق۔

یاد رکھئے کبھی یہ قاعدہ اپنے مقام سے ہٹ نہیں سکتا۔ اس کے اوپر بہت سے دلائل ہیں کہ پہلا مخلوق وہ ہونا چاہئے، جس میں کوئی عیب نہ ہو۔ کیونکہ اگر کوئی عیب ہو گا تو بنانے والے تک پہنچ جائے گا۔ اگر وسائط درمیان میں آجائیں تو عیب نکل سکتے ہیں۔ لیکن جہاں کوئی واسطہ نہ ہو، اور وہ براہ راست مخلوق ہو تو اس میں عیب نہیں ہونا چاہئے۔ کیوں کہ اگر عیب فرض کیا جائے گا تو وہ پہنچے گا بنانے والے تک اور بنانے والا چونکہ بے عیب ہے لہٰذا اس کا براہ راست مخلوق بے عیب ہونا چاہئے۔ اگر اس میز کا ایک پایہ چھوٹا ہو تین برابر کے ہوں اور جب آپ رکھیں تو ادھر ادھر ہونے لگے تو آپ فوراً کہیں گے کہ بنانے والا بڑا

نالائق تھا۔ معلوم ہوا کہ بنی ہوئی چیز کا عیب بنانے والے تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح بنی ہوئی چیز کا کمال بنانے والے تک پہنچ جاتا ہے۔

اگر یہ پہلا مخلوق جاہل ہوتا، تو لازم آتا، کہ خدا میں جہل ہے۔ اگر پہلا مخلوق نورانی ہوتا تو خدا میں عیب لازم آتا اس لیے کہ نورانی اس کو کہتے ہیں جس میں نور ہو وہ تاریک جگہ جس میں نور ہو اس کو نورانی کہتے ہیں یہ مرکب ہو گیا۔ نور اور تاریک ظرف کا۔ تاریک ظرف کا ہونا عیب ہو گیا۔ لہٰذا پہلا مخلوق نورانی نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ خود نور ہونا چاہئے۔

پہلا مخلوق عالِم نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ہم اپنی زبان میں عالِم اس جاہل کو کہتے ہیں جس میں عِلم آجائے ظرف جاہل میں عِلم کا آنا عالِم کہلاتا ہے یہ پہلا مخلوق اس معنیٰ میں عالِم نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ وہ خود عِلم ہونا چاہئے۔

اب وہ کون ہے پہلا مخلوق ؟ نام کچھ رکھ لیجئے حکمأ نے عقل اوّل کہا۔ کسی نے روح القُدس کہا کسی نے انسان کلّی کہا۔ کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ۔ ہم اسے کہتے ہیں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

چونکہ یہ پہلے مخلوق تھے لہٰذا ہمہ تن کمال تھے ہر ایک کمال ان کی حقیقت میں ودیعت کر دیا گیا تھا، نہ ہوتا ودیعت تو خداوند عالم کے لیے یہ لازم آتا کہ معاذ اللہ وہ بخیل ہے کہ دے سکتا تھا اور نہ دیا۔ یا لازم آتا کہ وہ عاجز ہے۔ یا یہ لازم آتا کہ وہ جانتا نہیں کہ ملنا چاہئے یا نہیں۔ نہ وہ عاجز ہے۔ نہ بخیل ہے۔ نہ جاہل ہے۔ اس لیے پہلے مخلوق کو ہمہ تن کمال ہونا چاہئے۔

میرے بزرگو! یہ پیدا ہوئے اور ان کے پیدا کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی۔ آپ حدیث قدسی سنا کرتے ہیں، کہ خدا نے فرمایا، میں ایک خزانہ پوشیدہ تھا مجھے محبوب معلوم ہوئی یہ بات کہ میں پہچانا جاؤں۔ اس لیے میں نے

خلق کیا' حقیقت میں یہی حقیقتِ محمدیہ ہے وہ جو مقصودِ پروردگار عالم تھی۔

اب اس کے بعد جو دنیا خلق ہوئی۔ وہ اس لیے نہیں کہ ویسا پہچانے' بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے پیدا ہونے کے بعد کچھ اس شان سے اس کی حمد و ثنا کی کہ جس کی وہ حمد و ثنا تھی' وہ عاشق ہو گیا۔ اور مقتضائے عشق یہ تھا' کہ معشوق کے کمال کو ظاہر کرنے والا کوئی ہو۔ اور چونکہ کوئی نہ تھا۔ اس لیے انبیاء بنائے گئے۔ ملائیکہ بنائے گئے کہ وہ ان کو پہچانیں اور خدا تک پہنچیں تمام کائنات عالم ان کے صدقے میں بنی۔

جب یہ بن گئے تو اس کے بعد انبیاء کرام کی روحیں بنیں۔ غور سے سنیں نبی وہ ہے جو ماں کے پیٹ سے نبی آتا ہے۔ جتنے کمالات نبوت ہیں وہاں سے لے کر آتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی مقام پر یہ کمالات اس کو تعلیم دیئے جاتے ہیں۔ جب یہ تعلیم دیئے جاتے ہیں تو معلّم کی ضرورت ہے۔ اور جب معلّم کی ضرورت ہے۔ تو خدا کو ضرورت نہیں کہ وہ پڑھائے کیونکہ وہ ایک شخص کو پیدا کر چکا۔ اب جتنے بھی انبیاء آئے ان کی روحوں کو تعلیم' حقیقت محمدیہ نے دی۔

میں عرض کر دوں' یہ ایک چیز' خدا خود اس وقت تک نہیں کرتا جب تک کہ کوئی کرنے والا ہو۔ ہمارے معاملات میں بھی یہی ہے۔ آپ جا کر زمین میں ہل چلائیے۔ بیج ڈال دیجئے یہ سب کچھ کیجئے۔ یہ کام آپ کا تھا۔ اب دانہ پیدا کرنا۔ آپ کا کام نہیں ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ میرے لیے چھوڑ دو۔ جب جناب عیسیٰ پیدا ہوئے تو مریم کو بھوک لگ گئی۔ عرض کرتی ہیں۔ پروردگار اس جگہ میں کیا کروں میں بھوکی ہوں۔ اسی وقت ایک درخت خرمہ تھا' جو خشک تھا' وہ سبز ہو گیا۔ اس میں پھل لگ گئے۔ جب خرمے آ گئے۔ انہیں پکایا اسی وقت۔ اور جب وہ پھل پک چکے تو حضرت مریم سے فرمایا' ذرا ان شاخوں کو ہلاؤ۔ یہ

خرمے تم پر گریں گے انہیں کھالینا۔ اب کئیے قدرت سے کہ تو نے پکایا۔ یہ درخت سبز کیا۔ خرمے لگائے اور پھر پکائے۔ سب کچھ کر چکا۔ ذرا شاخیں بھی ہلا دے۔ کونسی بات ہے۔ قدرت کہے گی جو مریم نہیں کر سکتی تھی۔ وہ میں نے کیا ' لیکن جو کر سکتی ہے وہ خود کیوں نہ کرے۔

تو اب جب کہ ایک پڑھانے والا پیدا ہو گیا ہے۔ تو اب کیا ضرورت ہے کہ خدا پڑھائے۔ جب مخلوق اوّل یعنی حقیقت محمدیہ پیدا ہو چکی۔ تو انبیاء کی روحوں کو اگر تعلیم دی ہے تو اسی حقیقت محمدّیہ نے دی ہے۔

دنیا آباد ہونا شروع ہوئی تو ضرورت ہوئی کہ کچھ لوگ بھیجے جائیں جو یہاں آکر نہ پڑھیں ' بلکہ وہاں سے پڑھ کر آئیں ' چنانچہ حضور کے شاگردوں میں سے لوگ آنے شروع ہوئے۔ جس وقت میں جیسی ضرورت پڑی ویسا نبی بھیج دیا۔ اے میرے بزرگو۔ اگر ان شاگردوں میں کوئی اور بھی رہ گیا ہوتا ' تو خود نہ آتے بلکہ اسی کو بھیج دیتے آپ کا آجانا دلیل ہے کہ بس ختم ہو گیا سلسلہ۔

حکما یہ کہتے ہیں کہ پروردگار علم نے ہر نوع کے لیے ایک رب بنایا ہے۔ یعنی ہر ایک نوع کے لیے پروردگار عالم نے ایک محافظ بنایا ہے۔ اس محافظ کا نام ہے رب النوع۔ وہ اس نوع کی پرورش کرنے والا ہے۔ یہ حدیث آپ نے سنی ہو گی۔ اور قرآن مجید کی آیتیں اس کی موید ہیں۔ باآواز بلند کہہ رہا ہوں۔ پروردگار عالم نے ملائیکہ سے متعلق بہت سے امور کئے ہوئے ہیں۔ کوئی درخت ایسا نہیں جس کے ساتھ کوئی فرشتہ خدا کی طرف سے مقرر نہ کیا گیا ہو۔ کچھ ملائیکہ بارش کو لانے والے ہیں کچھ بادلوں کو لانے لے جانے پر مقرّر ہیں۔ یہ جتنے بھی فرشتے ہیں اس نوع کے رب النوع کہلاتے ہیں۔

جہاں بھی کثرت ہو گی ' وحدت کو ڈھونڈے گی۔ اور اگر وحدت نہ ملے گی تو وہ کثرت فاسد ہو جائی گی۔ مثلاً فرض کیجئے ہر گھر میں ایک بڑے کی ضرورت

ہے اور اگر کوئی بڑا نہیں ہے تو گھر کا انتظام صحیح نہیں رہے گا۔ صوبہ سرحد میں ایک فقرہ کہا کرتے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے بددعا دیتے ہیں، تمہارے گھر میں سب بڑے ہو جائیں۔ سب بڑے ہو جائیں گے تو ایک دوسرے کا کہنا کون سنے گا۔ گھر کا انتظام خراب۔ گھر برباد۔ کثرت کا مطلب ہی یہ ہے۔ اور جب تک یہ کثرت وحدت تک نہیں جائے گی اس وقت تک اس کا انتظام درست نہیں ہو گا۔

حکومت ظاہری۔ اس کی شکل حکما کہتے ہیں کہ مخروطی ہے ایک طرف سے وہ موٹی ہے اور پتلی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور ایک نقطے پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ حکومت ظاہری کی شکل ہے۔ مثلاً پولیس کی مثال لیجئے۔ جہاں سپاہیوں کی کچھ مقدار ہو گئی۔ وہ کثرت ہو گئی۔ وحدت کو ڈھونڈ رہی تھی۔ ایک ہیڈ کانسٹیبل مقرر کر دیا گیا۔ تاکہ یہ کثرت اس طرح سے تزلزل میں نہ رہے۔ بلکہ اس کا ایک مرجع ہو جائے۔ جہاں چند ہیڈ کانسٹیبل ہو گئے وہاں ایک تھانیدار مقرر کر دیا گیا۔ جہاں چند تھانیدار ہو گئے۔ یہ کثرت ہوئی۔ ایک انسپکٹر مقرر کر دیا گیا۔ اس طرح سے چلے جایئے ایس پی اور ڈی آئی جی تک۔ پھر آخر میں آئی جی پر ختم، مکمل ہو گیا سارا انتظام۔ اسی طریقے سے ہر محکمے کو دیکھ لیجئے۔ پٹواریوں کو شمار کیجئے اور چلے جائے گورنر تک۔ یہ ایک ایک مقام تک پہنچے۔ جب کثرتیں ہو گئیں تو ضرورت ہوئی کہ وحدت ملے۔ تو اس وحدت کے لئے بادشاہ یا صدر مملکت ہوا۔ یہ تمام کثرتیں اس تک پہنچیں تو انتظام ملک درست رہا۔

اگر تمام بادشاہوں کی کثرت کو وحدت مل جاتی تو کبھی یہ لڑائیاں نہ ہوتیں۔ یہ لڑائیاں اسی لئے ہیں کہ اس کثرت کو وحدت نہیں ملی۔ اور اس وقت تک لڑائیاں ہوتی رہیں گی جب تک کہ وحدت نہ ملے گی۔ آئے گا ایک وقت، جس کا سارے مسلمان انتظار کر رہے ہیں۔ جب وہ وقت آئے گا اور وحدت مل

جائے گی، تو جس طرح ظلم و جور سے مملو ہو چکی ہو گی یہ دنیا، اسی طرح عدل و انصاف سے مملو ہو جائے گی۔

اے میرے بزرگو! اسی طرح سے ہے حکومت باطنی، حکومت باطنی ایسی مضبوط حکومت ہے کہ جس میں کبھی بھی کوئی خلل نہیں پڑا۔ ہر چیز کے لئے ایک سردار ہے۔ ان سرداروں کا بھی ایک سردار ہے۔ یاد رکھئے۔ جہاں تک بھی جائیں گے کثرتیں نظر آئیں گی۔ اب آخری کثرت جو ہو گی۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل تک جا کر ختم، لیکن یہ کثرت براہ راست وحدت حقیقیہ تک نہیں جا سکتی ہے۔ لہٰذا اس کثرت کی انتہا ہوتی ہے حقیقت محمدیہ پر۔

مزید غور کریں۔ حضور پاک پہلے مخلوق ہیں۔ تو زمانے سے پہلے بنے۔ اور زمانہ حرکت ہے۔ حرکت بغیر متحرّک نہیں ہو سکتی۔ اور جہاں حرکت و سکون کا لفظ آ جائے۔ وہ مادّہ ہے۔ اے میرے بھائیو، یہ چیزیں کلیاتؒ میں سے ہیں۔ ان میں کسی قسم کا خلل نہیں۔ تو اب جتنی یہ چیزیں ہیں، زمانہ وغیرہ اس سے پہلے بنے۔ یعنی مادّہ بھی نہ تھا، زمانہ بھی نہ تھا جب یہ بنے۔ اب اس کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ ان پر اثر انداز نہیں ہو گا۔ حوادث دہران پر اثر انداز نہیں ہوں گے ۔ جب بنے تو اس وقت کچھ نہ تھا۔ اور اس وقت بھی رہیں گے جب کچھ نہ رہے گا۔ دوبارہ اگر کوئی چیز بنے گی، تو ان کے صدقے میں بنے گی۔

یہ ہے ایک ہلکا سا تصور اپنے نبی اور اپنے رسول کی سیرت باطنی کا جو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اب اس چیز کو دیکھتے ہوئے، تصور کریں کہ ان کی نماز کیسی ہو گی۔ اور ان کا روزہ کیسا ہو گا۔ تمام مخلوقات عالم اگر قیامت تک نمازیں پڑھتی رہیں تو ان تمام نمازوں کا مجموعہ، ان کی ایک نماز کے برابر نہیں ہو سکتا۔

" رضائے الٰہی "

بسم اللہ ارحمٰن الرحیم

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغا مرضات اللہ

بزرگان ملت یہ آیت مبارکہ اصل مقصد کی تمہیدی حیثیت سے میں نے شروع کی ہے ۔ اس میں پروردگار عالم نے ہجرت کا تھوڑا سا واقعہ بیان فرمایا ۔ اس سے پہلے تین آیتیں اور بھی ہیں ۔ جن میں کچھ لوگوں کا تذکرہ کیا ہے اور ان لوگوں کی ایک تصویر کھینچی ہے جو اس وقت جناب رسالت مابؐ سے باتیں کیا کرتے تھے ۔ چوتھی آیت یہ ہے ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو خداوند عالم کی مرضی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتے ہیں ۔

ظاہر ہے کہ ان الفاظ کے اندر کوئی نہ کوئی مقصود پروردگار عالم ہے اور وہ یہ کہ جس نے اس مقام پر اپنی جان خطرہ میں ڈال دی اس کی مدح ہو جائے ۔

تھوڑا واقعہ عرض کر دوں ' اور وہ یہ ہے کہ جب تک جناب ابوطالب کی حمایت رہی ۔ یعنی جب تک جناب ابوطالب ' حضرت علی علیہ السلام کے پدر بزرگوار زندہ رہے ' اس وقت تک جناب رسالتمابؐ کو تمام حملوں سے بچاتے رہے رسولؐ اللہ چھ سال کے تھے کہ دادا کا انتقال ہوگیا ۔ ماں کا بھی انتقال ہو چکا تھا ۔ باپ کا انتقال آپ کے پیدا ہونے سے ایک مہینہ پہلے ہوچکا تھا ۔ باپ کے انتقال کے بعد دادا نے آغوش تربیت میں لیا ۔ اور پرورش کرتے رہے ۔ جب

آپ کی عمر چھ سال کی تھی ' جناب عبدالمطلب کا انتقال ہوگیا۔ جناب عبدالمطلب نے انتقال سے پہلے ' اپنے دس لڑکوں پر نظر انتخاب ڈالی ' اور آپ کی نظر انتخاب جناب ابوطالب پر پڑی ابو طالب اور جناب عبداللہ حقیقی بھائی تھے ' بایں معنی کہ جناب عبداللہ اور ابوطالب ایک ہی ماں سے تھے۔ باقی جو بیٹے تھے ان کی مائیں الگ الگ تھیں۔ اس کے علاوہ جناب ابوطالب کی نیکی ' سخاوت اور دوسرے وہ صفات جو انسانیت کے لئے بہترین زیور ہیں وہ سب ان میں پائے جاتے تھے۔ اس لئے رسول اللہ ؐ کو حضرت ابوطالب کی سپردگی میں دے دیا گیا۔ قرآن مجید میں اس کے متعلق آیتیں موجود ہیں۔

حضرت ابوطالب نے چھ سال کی عمر سے رسول اللہ ؐ کو اپنی آغوش میں لے کر ہر قسم کی حفاظت کی۔ ہر ایک خدمت سرانجام دی۔ تیس سال کے جب ہوئے تو حضرت ابوطالب نے رسول اللہ ؐ کا عقد ' حضرت خدیجہ کے ساتھ کر دیا۔ اس میں سب مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہ کے پاس اتنی دولت تھی کہ مکے کے سرداروں کی جتنی دولت ہو سکتی تھی۔ یا جتنی ان کی تجارت ہو سکتی تھی ان سب کے مجموعہ سے زیادہ ' تنہا حضرت خدیجہ کے پاس دولت تھی۔ حضرت خدیجہ نے آتے ہی تمام چیزیں جناب رسالت مآب ؐ کے سپرد کر دیں کہ اب یہ میری نہیں آپ کی ہیں۔

جناب رسالتمآب ؐ کے حالات میں کچھ تھوڑا سا تغیر ہوا۔ بایں معنی کہ اس کے بعد آپ کبھی کبھی غار حرا میں تشریف لے جاتے اور شام تک مستغرق رہتے عشق پروردگار عالم میں۔ حضرت ابوطالب نے اپنے بیٹوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جب کبھی حضور ؐ ادھر ادھر تشریف لے جائیں ' یا غار حرا میں جائیں ' تو میرے فرزندو تم حفاظت کے لئے ہر وقت اس جگہ موجود رہنا میں ان واقعات کو عرض نہیں کرتا ' مگر اتنی سی بات عرض کرنی چاہتا ہوں ' کہ دنیا میں ایک شخص بھی ایسا

نہیں ہے کہ جو حفاظت و حصانت جناب ابوطالب میں شک کی گنجائش بھی سمجھے۔ جان کو جان نہ سمجھا۔ مال کو مال نہ سمجھا۔ اولاد کو اولاد نہ سمجھا' جو کچھ سمجھا وہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سمجھا۔

ایک کتاب مصر میں لکھی گئی ہے جس کا نام ہے ابوطالب میرے پاس بھی موجود ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ہر ایک شخص کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب تک اس کی شادی نہیں ہوتی' اس کے نفس کی تمام توجہ اپنی طرف ہوتی ہے۔ چاہتا ہے اچھا کھائے۔ اچھا پیئے دوستوں کی صحبت میں رہے اور زیادہ وقت خوش رہے۔ لیکن جب اس کی اولاد ہوجاتی ہے تو یہ توجہ جو اپنے نفس کی طرف ہوتی ہے وہ منتقل ہوجاتی ہے اولاد کی طرف۔ اب وہ کہتا ہے' چاہے مجھے اچھا ملے یا نہ ملے اولاد میری خراب نہ ہو۔ اولاد کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں تمام دنیا والوں کی یہی فطرت ہے لیکن اس سے مستثنیٰ اگر کوئی شخص دنیا میں نظر آتا ہے تو وہ جناب ابوطالب ہیں۔ کہ نہ ان کی توجہ کبھی اپنے نفس کی طرف رہی نہ اولاد کی طرف رہی۔ جتنی عنایت و توجہ رہی۔ وہ سب جناب محمد مصطفیٰ پر رہی۔

خیر بہرحال جب چالیس سال کے ہوئے جناب رسالتمآب' تو آپ نے اعلان نبوت فرمایا۔ جناب ابوطالب ہر طرح کی حمایت اور حفاظت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا کہ جب ابوطالب اپنی شعب میں گھر گئے۔ اس شعب میں رسول اللہ ساڑھے تین سال محصور رہے۔ اور ایک قید کی حالت میں رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سرداران مکہ سے یہ اندیشہ ہوگیا تھا کہ کسی وقت وہ حملہ کرکے محمد مصطفیٰ کو قتل نہ کردیں۔ اس دور میں جناب ابوطالب کی حفاظت اور رسول اللہ کی نگہداشت کا جو انداز رہا' یہ اپنی جگہ ایک مستقل مضمون ہے۔ جس کے عرض کرنے کی اس وقت ضرورت نہیں۔ یہ واقعات گزرتے رہے اس کے بعد کفار مکہ خود پشیمان ہوئے اور بنی ہاشم وہاں سے چلے آئے۔ یہ دس

بعثت کا واقعہ ہے۔ اسی سال جناب ابوطالب کا بھی اور حضرت خدیجہ کا بھی انتقال ہوگیا۔

تاریخیں گواہ ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ مکے میں ٹھہر نہ سکے کبھی طائف کی طرف چلے جاتے تھے۔ کبھی کسی اور طرف چلے جاتے تھے۔ مکے میں اگر کبھی آتے تو کسی نہ کسی کی پناہ میں ہوا کرتے تھے۔

تین سال کے بعد حکم ہوا کہ کفار مکہ بالکل تیار ہوگئے ہیں کہ تمہیں قتل کردیں، میرے حبیبؐ اب ہجرت کر جاؤ۔

ادھر یہ ہوا کہ ایک میٹنگ ہوئی سرداران مکہ کی۔ جس میں یہ طے ہوا کہ آج رات کو ہر ایک قبیلے کا منتخب بہادر پہنچ جائے اور سب مل کر رسول اللہؐ کا گھر گھیر لیں۔ یہ ہر قبیلے کا فرد کیوں منتخب کیا گیا تھا، وہ اس لئے کہ رسول اللہؐ کے قتل کا الزام کسی ایک قبیلے پر نہ رہے اور اگر بنی ہاشم خون کا بدلہ چاہیں تو ایک قبیلے سے نہیں بلکہ ان کو تمام عرب سے لڑنا پڑے۔ اور یہ چونکہ ممکن نہیں ہے لہٰذا قتل بھی ہو جائیں گے اور کوئی انتقام لینے والا بھی نہ ہوگا۔ یہ مقصد تھا۔

چنانچہ بڑے بڑے بہادر چیدہ اور منتخب آئے اور رسول اللہؐ کے گھر کو گھیر لیا۔ پروردگار عالم کا حکم ہوا کہ میرے حبیب اب یہاں سے چلے جاؤ اور اس طرح چلے جاؤ کہ اپنے بستر پر علی ابن ابی طالب کو سلا دو دنیا میں ان چیزوں سے اختلاف کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اتفاق ہے سب کا۔ امیرالمومنین سے آپ نے فرمایا کہ یا علی مجھے یہ حکم ہوا ہے "کیا تم میرے بستر پر سونے کے لئے تیار ہو۔ مگر شرط یہ ہوگی کہ تم سوؤ گے تو میری ہی چادر اوڑھ کر سوؤ گے اور اپنے چہرہ کو ظاہر نہیں کرنا ہے۔ چہرہ کو بھی چادر میں چھپا لینا ہے تاکہ کوئی دیکھنے والا یہ نہ سمجھے کہ محمدؐ نہیں ہے کوئی اور ہے"۔ امیرالمومنین نے اتنی سی بات عرض کی "یا رسول اللہؐ آپ کی جان تو بچ جائے گی" کہا ہاں۔ کہا سمعاً وطاعتہً "پھر میں

حاضر ہوں ہر طرح سے"۔

امیرالمومنین سو گئے ' اور سوئے تو اس طرح سے کہ فرمایا کرتے تھے کہ تمام عمر ایسی گہری نیند مجھے کبھی نہیں آئی ء جیسی کہ شب ہجرت نیند آئی۔ بس واقعہ اتنا تھا۔ اس کے فروعات بہت زیادہ ہیں جو قابل تفصیل ہیں اور ان کو بیان کرنے کے لئے بہت زیادہ وقت کی ضرورت ہے مجھے صرف اتنا ہی عرض کرنا تھا اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی مرضی کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کو بیچ ڈالتے ہیں۔

جہاں اور چیزوں میں اختلافات ہیں مفسرین کے مابین تھوڑا سا اختلاف ' صرف اس لئے کہ کچھ نہ کچھ شبہ ہی ہوجائے ' پیدا کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک شخص تھا صہیب رومی وہ پہلے عیسائی تھا ' پھر مسلمان ہوگیا۔ وہ بھی مکے سے ہجرت کرکے جانے لگا تو اس کا مال چھین لیا تھا۔ مکے کے رہنے والوں نے بس یہ ذرا سا اختلاف ہوا کہ بعض لوگوں نے کہا کہ جان کے بیچنے والے سے مراد وہ صہیب رومی ہے۔ چھینا گیا ہے مال ' اور قرآن کی آیت میں ذکر ہے ' جان کے بیچنے کا۔ جب انسان ہٹتا ہے سیدھے راستے سے تو کسی نہ کسی مقام پر لغزش ہو ہی جاتی ہے۔ بہرحال اس سے کوئی بحث نہیں ہے۔

ایمان والوں کے لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے (**ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ الخ**) خداوند عالم نے جنت کے عوض میں ایمان والوں کے مال اور جانیں خرید لیں۔ لیکن علی ہیں امیرالمومنین ' لہٰذا اگر جنت ہی کے عوض میں ان کی جان بکتی تو ان میں اور ان کی رعیت میں یعنی مومنین میں کیا فرق رہتا۔ اس لئے پروردگار عالم نے مومنین کی جان خریدی جنت کے بدلے میں۔ اور علی کی جان خریدی ہے اپنی رضامندی کے بدلے میں۔

اچھا اب ذرا امیرالمومنین کا ایک فقرہ بھی سن لیجئے ۔ اس قسم کی چیزیں امیر المومنین کی زبان کے سوا آج تک نکلی ہی نہیں کسی زبان سے ' عرض کیا کرتے تھے بارگاہ احدیت میں ۔ میرے مولا لا اعبدک طمعا لجنتک ولا خوفا لنارک میرے پالنے والے میں جو تیری عبادت کرتا ہوں اس لئے عبادت نہیں کرتا کہ تیری جنت کی طمع ہے مجھے اور نہ اس لئے عبادت کرتا ہوں کہ مجھے تیرے جہنم کا ڈر ہے میں تو تیری عبادت اس لئے کرتا ہوں کہ تجھے اس قابل جانتا ہوں کہ تیری عبادت کی جائے ۔

حضرات عرض کر رہے ہیں تیری جنت کی طمع نہیں ہے اور تیرے جہنم کی پرواہ نہیں ہے یہ تیری کی جو اضافت ہے خدا جانے اس میں کیا کچھ نظر آتا ہے ۔ یعنی اس جنت اور جہنم کو اور حقیر کر دیا ہے اس محاورہ کے اعتبار سے کہ کچھ بھی نہیں ہیں یہ چیزیں ۔ اس کے بعد فرماتے ہیں میرے خدا ! اگر تو مجھے اپنے جہنم میں ڈال دے گا تو تیری ذات کی قسم میری زبان سے کبھی نہ نکلے گا کہ یہ جہنم ہے ' کیونکہ میری جنت تو وہی ہے جہاں تیری خوشی ہو ایک بات عرض کر دوں بہت سے لوگ اس کا تصور نہیں کر سکتے ہیں جس کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں ۔ لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ آگ میں کوئی ڈالا جائے تو کیسے کہے گا کہ یہ جنت ہے ۔ کیا آگ کی تکلیف نہ ہوگی اور جب تکلیف ہوگی تو جنت کہاں رہے گی ۔ جنت تو وہ مقام ہے جہاں راحت اور آرام ہے ۔ میرے بزرگو جو سالکین اور مجذوبین ہیں ان کے لئے ایک منزل وہ آتی ہے کہ اس عشق کی وجہ سے دنیا کی جتنی تکلیفیں ہیں وہ راحتوں سے بدل جاتی ہیں ۔ مقام شکر ؟ شکر کے یہ معنی ہیں پہلے صبر کے معنی سنیں صبر کے معنی یہ ہیں کہ مصیبتیں پڑیں تو جھیل جائے ' آدمی خدا کی شکایت نہ کرے ' یہ ہے صبر مگر صبر میں مصیبت ۔ مصیبت رہتی ہے اور محسوس ہوتی ہے ۔ شکر کے معنی عام یہ ہیں کہ کوئی نعمت خدا کی طرف سے آئے

تو اس کے عوض میں اس کی حمد و ثنا کی جائے شکریہ ادا کیا جائے ' لیکن یہ شکر ادنیٰ ترین درجات شکر میں سے ہے۔ ایک مقام شکر وہ ہے کہ جہاں مصیبتوں میں شکر کیا جاتا ہے۔ مصیبتوں پر صبر نہیں بلکہ شکر ادا کیا جاتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ مصیبت میرے لئے نعمت بن کر آئی ہے۔ جب مصیبتوں کو نعمت سمجھتا ہے تو نعمت کے عوض میں شکریہ ادا کیا جاتا ہے تو یہ مقام ہے شاکرین کا اور اسی کی وجہ سے قرآن مجید میں آپ دیکھیں گے کہ صبر کرنے والے کچھ زیادہ نظر آئیں گے لیکن شکر کرنے والے بہت ہی کم ہیں لہٰذا امیرالمومنین عرض کیا کرتے تھے کہ پروردگار میری جنت تو وہی ہے جہاں تیری خوشی ہے۔ اگر تو اسی میں خوش ہے کہ میں جہنم میں جاؤں تو میرے لئے وہ بھی جنت ہوگی۔

ہر ایک کے لئے ایک جنت نہیں۔ ہر شخص کے لئے جنت الگ ہے۔ جہاں اس کو خوشی ہو۔ جہاں اس کی خواہشات کی چیزیں موجود ہوں۔ وہی اس کے لئے جنت ہے۔ اس لئے جنت کے درجات ہیں۔ فرض کیجئے ایک شخص کو مٹھائی سے نفرت ہے اگر اس کے سامنے ڈھیر لگا دیا جائے مٹھائیوں کا ' تو اس کے لئے الجھن ہوگی بلکہ یہ جہنم بن جائے گا۔ لیکن دوسرے شخص کو اس سے رغبت ہے تو اگر یہ نہ ہوں گی تو جہنم ہوگا۔ تو اس لئے ہر ایک کی جنت الگ ہے۔

ایک قصہ یاد آیا جناب فضہ رضی اللہ عنہا ' حضرت سیدہ کی کنیز جن کے متعلق یہ مشہور ہے کہ خدمت جناب سیدہ میں آنے کی بعد اس منزل پر پہنچیں کہ اس کے بعد چالیس سال تک زندہ رہیں اور ان چالیس برسوں میں انہوں نے جب کسی سے کلام کیا ' تو قرآن مجید کی آیت پڑھی اور اس کے واقعات بھی موجود ہیں یہ جناب فضہ ایک دن جناب سیدہ کے گھر سے نکلی ہیں۔ کچھ لینے جا رہی ہیں یا لا رہی ہیں کہیں سے کچھ۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ مل گئے جو صحابی رسول تھے۔ بڑے مشہور صحابی رسول ہیں۔ انہوں نے سلام کیا چونکہ یہ کافی عمر

کی تھیں اس لئے انہوں نے سلام کیا۔ جناب فضہ نے جواب سلام دیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فضہ تم نے بڑی کمائی کی۔ جنت لے لی اس سے زیادہ اور کیا کمائی ہو سکتی ہے جناب فضہ رضی اللہ عنہا نے کہا کسی جنت؟ فضہ کیسی باتیں کرتی ہو تم نہیں جانتی کہ جنت کیا ہے وہی جس کا ذکر ہے کہ ایسے ایسے باغ ہوں گے ایسی ایسی نہریں ہوں گی یہ ہوگا وہ ہوگا یہ جنت۔ جناب فضہ کہتی ہیں ابن مسعود اتنے دن ہوگے رسولؐ کی صحبت میں مگر معرفت حاصل نہ کر سکے۔ کہا فضہ میں نے کونسی ایسی بات کہہ دی کہ مجھے بے معرفت بتا رہی ہو تو جناب فضہ نے کہا ابن مسعود جس کو تم جنت کہتے ہو میں اسے لے کر کیا کروں گی۔ میری جنت تو یہ دروازہ ہے۔ جس میں میری شہزادی اور میرے شہزادے رہتے ہیں میرے لئے ان کی خدمت ہی جنت ہے۔ بہر حال ہر ایک کے اعتبار سے جنت الگ ہے۔ اسی لیے اس کے درجات بھی الگ الگ ہیں۔ جناب فضہ کے لئے وہ جنت تھی مومنین کے لئے یہ جنت ہے۔ امیرالمومنین کے لئے جنت ہے خوشنودگی پروردگار عالم۔ چونکہ رضائے پروردگار عالم آپ مانگتے تھے۔ جب وہ موقع آیا تو مہر تصدیق فرمائی خدا نے' اور معجزانہ حیثیت سے کلام نازل کرکے قیامت تک کے لئے یہ بات چھوڑ دی کہ علی نے اپنی جان بیچی تھی۔ کاہے کے عوض میں۔ رضائے پروردگار عالم میں۔ یہ چیز ختم ہو گئی۔

چونکہ اس مجلس میں ارباب ادراک اور صاحبان فہم و ذکا موجود ہیں اس لئے ایک بات عرض کرنی چاہتا ہوں۔ اب آپ ذرا اس کو یاد کیجئے کہ امیرالمومنین سے کہا کہ سو جاؤ اور امیرالمومنین سو گئے اور اس طرح سوئے کہ آپ فرمایا کرتے تھے عمر بھر اتنی گہری نیند کبھی نہیں آئی' بات کیا ہے یہ' ہوا کیا' اب میں گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھئے کام کرنے والے کی چھ قسمیں ہیں۔ میں ان قسموں کو بیان کرکے آپ کے دماغوں کو الجھانا نہیں چاہتا' کیونکہ بہت سے

حضرات ایسے ہیں جن کی دلچسپی ان چیزوں سے نہیں ۔ مثالیں دے دیتا ہوں ۔ قلم نے لکھا میں نے لکھا یہ دونوں الگ الگ فاعل ہیں ۔ قلم نے لکھا وہاں قلم فاعل، میں نے لکھا یہاں میں فاعل، آگ نے جلا دیا یہ اور چیز ہے ۔ میں نے جلا دیا یہ اور چیز ہے ۔ قلم نے لکھا، ہے ٹھیک، مگر بے چارہ وہ مجبور تھا کیونکہ میرے ہاتھ میں تھا ۔ میں حرکت دے رہا تھا ۔ آگ کے جلانے میں اور قلم کے لکھنے میں فرق ہے ۔ آگ جو ہے وہ خود فعل کرتی ہے بغیر کسی کے مجبور کیے ہوئے ۔ مگر وہ طبعی چیز ہے ذاتی نہیں ۔ تو یہ فاعل الگ الگ ہیں ایک فاعل ہے ۔ بالتسخیر ۔ بس یہ عرض کرنا ہے کہ فاعل بالتسخیر کے معنی کیا ہیں ۔ ایک ہوتا ہے مسخر، کہ جو کسی کی اطاعت میں ہے ۔ اور ایک وہ ہے کہ جس کی اطاعت میں ہے ۔ یہ دونوں اس طرح سے ہوں کہ ایک کی طرف نسبت دیں فعل کی تب بھی حقیقت ہو جائے اور دوسرے کی طرف نسبت دیں تب بھی حقیقت ہو جائے ۔ آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، ناک یہ ہماری رعیت ہیں ہمارے مسخر ہیں ۔ پروردگار عالم نے ان چیزوں کو ہمارا مسخر بنا دیا ۔ ہم ارادہ کرتے ہیں ۔ ہاتھ اٹھ جاتا ہے حکم دینے کی ضرورت نہیں پڑتی ۔ ادھر ارادہ ہوا اور ہاتھ اٹھ گیا ۔ کبھی آنکھ کو کہنے کی ضرورت پڑتی کہ دیکھ، ادھر ارادہ ہوا کہ آنکھ دیکھے ادھر آنکھ دیکھنے لگی کیوں حضور کبھی آپ نے ایسا تو نہیں کیا کہ آنکھ سے کہا ہو کہ دیکھ اس نے تب دیکھا ہو ۔ جب میں کہتا ہوں کہ میری آنکھ نے دیکھا یہ درخت، یہ بھی حقیقت ہے یا نہیں اور جب میں یہ کہوں کہ میں نے دیکھا تب بھی حقیقت ہے یا نہیں ۔ فاعل بالتسخیر کا مطلب یہ ہے کہ جو تسخیر میں ہے اس کی طرف بھی فعل کی نسبت حقیقت اور جس کی تسخیر میں ہے اس کی طرف فعل کی اگر نسبت دی جائے ۔ تب بھی حقیقت ہو ۔ جناب رسالتمآبؐ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے ۔ پروردگار عالم کا کہ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی میرے حبیب جب وہ پتھر تم نے پھینکا

تھا جب کہ تم نے پھینکا تھا تم نے کہاں پھینکا تھا ہم نے پھینکا تھا۔ اب دیکھئے پھینکا جو تھا وہ رسول اللہ ؐ کے ہاتھ نے اور ثابت بھی کر دیا ہے مگر پھر کہہ رہا ہے کہ وہ تم نے کب پھینکا تھا۔ وہ تو میں نے پھینکا تھا۔ اگر اپنی طرف نسبت دے تب بھی حقیقت کہ میں نے پھینکا اور رسول ؐ کی طرف نسبت ہو جائے۔ تب حقیقت کہ رسول ؐ نے پھینکا۔ اب اس کے بعد آیئے اس مطلب تک۔ یہ تمام ہماری رعیت یہ مسخر ہے میں نے طمانچہ مارا ہاتھ نے مارا دونوں ایک جب یہاں تک آپ پہنچ گئے تو اب گزارش یہ ہے امیرالمومنین سو گئے کس وقت سوئے کہ جب حکم ہوا کہ سو جاؤ۔ اگر کسی شخص کو چار بجے صبح اٹھنے کی عادت ہو۔ اور دو چار سال گزر گئے ہوں دس بجے سلا دیجئے چار بجے اٹھ بیٹھے گا۔ رات بارہ بجے سلا دیجئے۔ چار بجے اٹھ بیٹھے گا اگر تین بجے آپ سلایئے تب بھی چار بجے آنکھ کھل جائے گی۔ کیونکہ عادت ہے چار بجے اٹھنے کی۔ مقصد میرا یہ ہے کہ دیکھئے یہ ہماری رعیت ہاتھ پاؤں بالکل بغیر ارادے کے کام کرتے ہیں تو خدا کی کچھ تو رعیت ایسی ہونی چاہئے کہ جو ادھر ارادہ ہو اس کا اور ان سے افعال ہونے لگیں۔ کچھ تو ہونی چاہئے نا۔ اور اگر صرف ایسی رعیت اسکی ہوئی ' تو پھر ہماری رعیت میں اور اس کی رعیت میں فرق کیا ہوگا اس کی رعیت اس سے آگے کچھ اور ہونی چاہئے۔

اتنے مجمع میں دن کا وقت ہے اور آنکھ بند ہو رہی ہے۔ دماغ پر بوجھ پڑا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک صاحب کی آنکھ بند ہو رہی ہے۔ دیکھئے اس وقت یہ صاحب جو ہیں یہ اپنی آنکھوں سے کہہ بھی رہے ہیں کہ اس وقت مت سو لوگ دیکھیں گے شرمندگی ہوگی یہ سونے کا وقت نہیں ہے آنکھ کہتی ہے دماغ تھک گیا ہے اب تو بند ہوں گی۔ اتنی مسخر رعیت مگر نافرمانی کر رہی ہے نا۔ خدا کی رعیت اس سے اونچی ہونی چاہئے کہ کیسی ہی عادت کے خلاف ہو مگر نافرمانی کا شائبہ نہ

آنے پائے۔ میں نے عرض کیا چار بجے اٹھنے کی عادت والے اٹھ جائیں گے۔ کیونکہ عادت پڑ چکی ہے۔ اب ایک شخص ہے کہ جو اس وقت تک نہیں سوتا۔ جب تک کہ ایک ہزار رکعت نماز ادا نہ کر لے نہیں سوتا۔ اور آج کی نہیں سالہا سال سے عادت چلی آ رہی ہے اب آپ اس کو سلا تو دیجئے بغیر نماز پڑھے ہوئے۔ نیند آئے گی کبھی نہیں آئے گی۔ کسی شخص کے بیٹے کے درد قولنج ہو جائے وہ تڑپ رہا ہو باپ کو نیند آئے گی؟ نہیں آئے گی۔ ایک شخص کو ہاتھ پاؤں سے باندھ کر شیر کے سامنے ڈال دیجئے اور کہیئے ذرا تم نے آنکھ بند کی اور شیر تم کو کھا جائے گا۔ نیند آئے گی کبھی نہیں آئے گی اب آپ دیکھیں چیدہ چیدہ بہادروں نے گھر کو گھیرا ہوا ہے، برہنہ شمشیریں ان کے ہاتھوں میں ہیں۔ خون آشام تلواریں۔ برہنہ ہیں اور اس کے بعد جو محبوب ہے اور عشق ہے جس سے، وہ گھر سے چلا گیا ہے یہ بھی نہیں معلوم کس جگہ ہو گا۔ وہ کس مصیبت میں ہو گا۔ کیوں میرے بھائیو! ایسے وقت میں نیند آئے گی۔ ایک ہزار رکعت نماز کی عادت بھی ہے اگر کہہ دیا جائے کہ اب سو جاؤ کیوں میرے بھائیو! سو جائے گا۔ نہیں سوئے گا۔ تو اتنی چیزیں ایک طرف اور علیؑ کو حکم ہوتا ہے کہ آج سو جاؤ۔ ادھر حکم ہوتا ہے اور علیؑ اس طرح سوتے ہیں کہ تمام عمر اتنی گہری نیند نہیں سوئے۔ یہ ہے جان بیچنے کی مثال۔

اب آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ ایسے لوگ۔ امیرالمومنین ایک نظر آئے لیکن میں علیؑ کے بیٹے کو پیش کرنا چاہتا ہوں کہ امام حسینؑ نے تیار کئے کچھ لوگ، کہ جو خدا کی راہ میں اپنی جان بیچنے کے لئے نکلے ہیں، اور وہ کربلا میں آگئے ہیں کل عاشورہ کا دن، نماز ظہر کا وقت آیا۔ کچھ اصحاب باقی ہیں ان میں سے ایک عرض کرتے ہیں۔ فرزند رسول زوال کا وقت شروع ہو گیا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کے پیچھے آخری نماز پڑھ لیں۔ امام حسینؑ بڑے خوش

ہوئے کس طرح کی نماز ہوئی ۔ کچھ اصحاب اس طرف آگے کھڑے ہو گئے جدھر فوج تیر برسا رہی تھی ۔ حسینؑ نماز میں مصروف ہوئے یہ آگے امام حسینؑ کے کھڑے ہو گئے ادھر سے تیر آرہے ہیں ہڈیوں کو توڑ رہے ہیں سینے میں پیوست ہو رہے ہیں لیکن ان میں سے ایک نہیں گرتا کیوں ۔ اس قدر استغراق ہے ۔ اس قدر غرق ہو چکے ہیں عشق حسینؑ میں کہ تیروں کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں لگ رہے ہیں امام حسینؑ کی جب آواز آئی السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ اب سمجھے کہ نماز ختم ہوئی ادھر نماز ختم ہوئی حسینؑ کی ، ادھر یہ ختم ہو گئے، آپ نے خیال فرمایا کہ اتنی روحانیت کے مالک کبھی آپ نے دیکھے ہیں کہ آئے ہیں اپنی جانیں بیچنے کے لئے ۔

امام حسینؑ سے عہد ہو چکا ہے ۔ حضرت نے فرمایا بھائیو تم چلے جاؤ ۔ آج کی شام میں نہیں دیکھوں گا ۔ عاشورہ کا دن ہے رات کو کہا تھا کہ یہ رات جو آنے والی ہے میری زندگی میں نہیں آئے گی ۔ چلے جاؤ اپنے بال بچوں سے جا کر مل لو ۔ جن کے بال بچے ہیں وہ مل آئیں ۔ وہ آوازیں دیتے ہیں کہ حسینؑ اگر ہم چلے جائیں تو خدا کرے ہمیں درندے کھا جائیں ۔ حسینؑ ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں ؟ ہم آپ کے نانا کو کیا منہ دکھلائیں گے ۔ امام حسینؑ فرماتے ہیں بھائیو ! میں نانا کو تم سے راضی کروا لوں گا میں یہ کہہ دوں گا،نانا،میں نے خود ان کو بھیجا تھا یہ خود نہیں آئے تھے میرے نانا تم سے ناخوش نہیں ہونگے ۔ امام حسینؑ نے یہ فرمایا،جانتے ہیں،کیا جواب دیا ہے،اصحاب باوفا نے ۔ اگر ہم ہزار بار قتل کئے جائیں اور پھر جلا دیئے جائیں اور ہماری راکھ اڑا دی جائے تو ہر بار ہماری راکھ کا ہر ذرہ تیرے قدموں میں گرے گا تجھے چھوڑ کر کیوں چلے جائیں رہ گئے ۔ یہ بال بچے ، حسینؑ اگر تیری راہ میں ان کو تکلیف ہو تو اس تکلیف سے بڑی راحت کیا ہے ۔ کہیں دنیا میں ایسے واقعات ہوئے ہیں ؟

میں کیا آپ سے عرض کروں اس وقت یزید کی بیعت کس کس نے کر لی تھی مجھے اس کا ذکر کرنا نہیں ہے۔ اتنی بات کہنی ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا خاندان ایسا نہیں رہا تھا جس نے یزید کے ہاتھوں پر بیعت نہ کر لی ہو۔ عبداللہ ابن زبیر مکے چلے گئے تھے۔ اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے لیکن جن کی دسترس میں یہ چیز نہ تھی انہوں نے سب نے بیعت کر لی تھی۔ حسینؑ نے کہا نانا کے روضے پر جا کر نانا میں آپ کی قبر کو کبھی نہیں چھوڑتا لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی محنتیں برباد ہو رہی ہیں۔ آپ نے اسلام کا پودا لگایا تھا۔ اب یہ کاٹا جا رہا ہے میرے نانا میرا گلا کٹ جائے گا۔ میرے علی اکبر کے سینے پر برچھی لگ جائے گی۔ میری بہنیں قید ہو جائیں گی۔ لیکن تمہاری محنت کو برباد نہیں ہونے دوں گا۔

اے میرے بزرگو! کبھی تصور میں سوچنا ان چیزوں کو، اپنی جان کو پیش کر دینا اور بات ہے۔ غیروں کو بلا کر آگے کر دینا اور بات ہے۔ عزیزوں کو بھی آگے بڑھا دینا اور بات ہے لیکن حضور ناموس کا معاملہ ایسا ہے کہ جب یہ معاملہ آتا ہے تو اولاد کو بھی فدا کر دیا جاتا ہے۔ کہ ناموس پر حرف نہ آنے پائے۔ جان کو بھی فدا کر دیا جاتا ہے۔ سب کچھ فدا کر دیتا ہے لیکن جب دین پر مصیبت آتی ہے تو پھر ناموس کو بھی فدا کر دینا چاہئے۔ لیکن دنیا میں آج تک ایسا کوئی پیدا نہ ہوا۔ سوائے ایک حسینؑ کے۔ جو گھر سے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو لے کر چلے جنہوں نے غالباً دن کے وقت گھر کے باہر کی دیوار تک نہ دیکھی تھی۔ اگر کبھی نانا کی زیارت کا شوق ہوا خود نہیں گئیں۔ امیرالمومنین سے یا بھائیوں سے درخواست کرتی تھیں۔ بابا اماں کی قبر کی زیارت کو دل چاہتا ہے۔ نانا کی قبر کی زیارت کو دل چاہتا ہے اجازت دیجئے۔ امیرالمومنین اجازت دیتے تھے مگر پہلے یہ حکم دیتے تھے کہ یہاں سے جنت البقیع تک جو راستہ ہے اس راستے میں ادھر ادھر جو

کوچے ہیں پہلے وہ بند کر دیئے جائیں ۔ کہ کوئی ان کوچوں سے گزرنے والا نہ گزرے اس کے بعد جب نکلتیں تھیں شہزادیاں' تو ایک طرف امام حسنؑ ہوتے تھے اور ایک طرف امام حسینؑ ہوتے تھے ۔ ان شہزادیوں کو حسینؑ لئے جارہے ہیں کہ بازاروں میں پھرائی جائیں گی ۔ یہ درباروں میں لائی جائیں گی ۔ اب آپ سمجھئے کہ دین پر حسینؑ کا کتنا احسان ہے ۔

عاشورہ کا دن ہے کوئی نہیں رہا امام حسینؑ کے ساتھ علی اصغر کو دفن کر چکے ۔ علی اکبر کا لاشہ اٹھا کر لے جا چکے ہیں ۔ عباس کے بازو قلم ہو چکے' دریا پر چھوڑ آئےؑ کیونکہ وصیت یہ تھی کہ مجھے نہ لیجایئے گا ۔ یہ سب کچھ ہو چکا ۔ اب امام حسینؑ میدان میں کھڑے ہوئے ان سے کہہ رہے ہیں' کوفے اور شام کے لوگوں ! دیکھو اب میرا کوئی نہیں رہا میں زندہ نہیں رہوں گا لیکن تھوڑا سا پانی تو پلا دو کسی طرف سے کوئی جواب نہیں آتا' چند منٹ کے بعد ایک شخص کی آواز آتی ہے ' داہنی طرف سے ' پیاسے میرا سلام ۔ امام حسینؑ اس طرف دیکھتے ہیں ایک شخص کھڑا ہوا ہے مسافرانہ لباس میں ہاتھ میں کشکول پانی سے بھرا ہوا آپ نے فرمایا تو کون ہے جو یہاں مجھے سلام کر رہا ہے 'کیونکہ یہاں تو کوئی مجھے سلام کے قابل ہی نہیں سمجھتا اس نے کہا میں فلاں جگہ کا رہنے والا ہوں ۔ میرا دل چاہا کہ میں کچھ سیاحت کروں سیاحت کے لئے گھر سے چلا تھا آج اس دریا کے کنارے پہنچا ۔ کنارے پر بیٹھ گیا پانی پیا منہ ہاتھ دھویا بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ تھوڑا سا دم لے لوں پھر چلوں گا ۔ پیاسے ایک مرتبہ تیری آواز جو کان میں آئی کہ مجھے پانی پلا دو میرے دل کی رگیں کٹ گئیں اتنا اثر کیا کہ میں بیٹھ نہ سکا ۔ یہ پانی بھر کر لایا ہوں لے پی لے ' آپ نے فرمایا خدا تجھے جزائے خیر دے میں پانی نہ پیوں گا ' چلا جا دور نکل جا کیونکہ اس کے بعد جو میری فریاد کی آواز بلند ہو گی وہ جو کوئی سن لے گا اور نہ آئے گا تو جہنم میں ڈال دیا جائے گا ۔ تو چلا جا اس نے کہا

میں چلا جاؤں گا لیکن تو پانی تو پی لے ' دیکھ تیرے ہونٹ خشک ہو گئے ہیں تیری آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں جلدی سے یہ پانی پی لے آپ نے فرمایا۔ بھائی اب کیا پیئوں گا ابھی ابھی اپنے چھ ماہ کے بچے کی قبر بنائی ہے جو پیاسا اٹھ گیا۔ وہ میرے جوان بیٹے کی لاش پڑی ہوئی ہے جو پیاسا اٹھ گیا۔ وہ میرا بھائی کنارے نہر کے پڑا ہوا ہے پانی ہی کے لئے گیا تھا اب میں کیا پانی پیوں گا وہ کہتا ہے تو پھر کیوں مانگ رہے تھے پانی ' آپ نے فرمایا اتمام حجت کر رہا تھا کہ کل یہ نہ کہیں کہ مانگتے تو دے دیتے۔ مظلوم یہ تیرا سارا خاندان تباہ ہو گیا کوئی نہ رہا آخر تیرا کیا گناہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ گناہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ یزید کی بعیت کر لو۔ میں کہتا تھا کہ فاسق و فاجر کی بیعت نہ کروں گا دین تباہ ہو جائے گا۔ یہ جو لفظ آپ نے کہے تو وہ ایک مرتبہ گھبرا گیا سر سے پاؤں تک دیکھا اور اس کے بعد کہتا ہے مظلوم تیرا وطن کہاں ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا مدینہ ' ارے کس قبیلے کا ہے۔ کہا بنی ہاشم یہ جو کہا تو ایک مرتبہ اس کا دل دھڑکنے لگا رسولؐ سے کیا قربت ہے فرمایا میرے نانا ہوتے ہیں۔ تیرا نام کیا ہے 'کہا حسین ابن علیؑ یہ نام سننا تھا کہ وہ کہتا ہے فاطمتہ زہرا کا بیٹا تو ہی ہے ' امام حسینؑ نے فرمایا ہاں میں ہی ہوں اس نے کہا آقا مجھے بھی اجازت دیجئے کہ میں ان لوگوں سے لڑ کر اپنی جان فدا کردوں آپ نے فرمایا تجھے اجازت نہ دوں گا بلکہ تو اپنے گھر چلا جا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جو تو اپنی ایک بیٹی چھوڑ کر آیا ہے وہ تجھے بہت یاد کرتی ہے یا حسین سکینہ کا بھی کبھی خیال آیا کہ آپ کے بعد کیا ہوا۔

کتابِ فطرت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

والطور وکتب مسطور فی رق منشور والبیت المعمور

پروردگار عالم نے اس آیہ مبارکہ میں جو سورۂ طور کے شروع ہی میں ہے ۔ ارشاد فرمایا ہے کہ قسم ہے طور کی ' اور قسم ہے اس کتاب کی جو کھلے ہوئے ورقوں پر لکھی ہوئی ہے ۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ قسم ہے بیت معمور کی ۔ اے میرے حبیب تمہارے خدا کا عذاب نازل ہو گا ۔

پروردگار عالم نے عرب کے محاورات کے اعتبار سے ' قرآن مجید میں کچھ قسموں کا ذکر کیا ہے ۔ ہم لوگ قسمیں اس لئے کھاتے ہیں کہ سننے والے کے ذہن میں وہ چیز راسخ ہو جائے کہ جو ہم کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے ۔ پروردگار عالم کے ہاں یہ مقصد نہیں ہوتا ۔ بلکہ کلام عرب میں یہ دستور ہے کہ اگر کسی امر کی تاکید مقصود ہوتی ہے تو اس کے لئے کچھ خاص خاص طرز کے جملے استعمال کئے جاتے ہیں ۔ اگر اور زیادہ تاکید کی ضرورت ہوتی ہے یا کسی مطلب خاص کو مؤکد کرنا ہوتا ہے تو اس کے لئے قسم استعمال کی جاتی ہے ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ یقین نہیں کریں گے اور قسم کھانے پر یقین کر لیں گے بلکہ صرف مطلب کی تاکید مقصود ہوتی ہے

اس آیہ مبارکہ میں پروردگار عالم نے طور کی قسم کھائی ہے ۔ اس کے بعد اس کتاب کی قسم اٹھائی ہے جو کھلے ہوئے ورقوں پر لکھی ہوئی ہے ۔ مجھے نہ اس قسم کے ذیل میں کچھ عرض کرنا ہے ۔ یا اور قسمیں جو اس آیت میں ہیں ' ان کے

متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔ میں صرف اس لفظ کتاب کے متعلق چند جملے آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ یہ کونسی کتاب ہے جو کھلے ہوئے ورقوں پر لکھی ہوئی ہے۔ اور پروردگار عالم اس کی قسم کھا رہا ہے۔

میں نے متعدد تقریروں میں عرض کیا ہے کہ کتاب کے معنی لغت عرب میں جمع کرنے کے ہیں۔ جس جگہ یا چیز میں کچھ چیزیں جمع کر دی جائیں، لغت کے اعتبار سے یا زبان عرب کے اعتبار سے اس کا نام ہے کتاب۔ اب چونکہ عرف عام میں یہ لفظ ان معنی میں استعمال ہونے لگا ہے کہ جس کو ہم اور آپ کتاب سمجھتے ہیں۔ تو یہی چیز ہی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ ورنہ لغت کے اعتبار سے یہ عام چیز ہے۔

سب سے بڑی کتاب ہے قرآن مجید۔ جس کے اندر تمام آفاق اور انفس کے متعلق جو کچھ نشانیاں ہیں پروردگار عالم کی قدرت کی، وہ سب جمع کر دی گئی ہیں۔ کتاب آفاقی اور کتاب انفسی کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی چیزیں ہیں۔ تو گویا کتاب اعظم پروردگار عالم ہے قرآن مجید۔ اس سے بڑی کتاب اور کوئی نہیں۔

کتاب آفاقی یعنی کتاب انفسی کا تذکرہ پروردگار عالم نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ کتاب آفاقی یعنی کتاب مادی جو ہے، اس کتاب کے جملے کہئے، اوراق کہئے، ابواب کہئے، کلمہ کہہ دیجئے، یہاں تک کہ حروف بھی آپ کہہ سکتے ہیں، یہ وہ ہیں جن کو آپ سورج زمین اور دیگر تمام اجرام سیارے اور ستارے وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اتنے ہیں کہ اگر ایک ایک حرف بھی ان کو فرض کر لیا جائے اور پھر ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں، تو یہ اتنی ضخیم کتاب ہو جائے گی کہ جس کے حروف کا جمع کرنا بھی ناممکن ہے۔ تو یہ کتاب مادی، کتاب آفاقی کہی جاتی ہے۔ اس کے بعد ہے کتاب انفسی، جس کا تعلق ارواح سے ہے۔ اور یہ

کتاب ' مادی کتاب سے زیادہ وسیع ہے۔ اس کے بعد ہے قرآن مجید کہ اس میں کتاب آفاقی کے مضامین بھی جمع کر دیئے گئے ہیں اور کتاب انفسی کے مطالب بھی اس میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ موجود ہے جس کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ہمارا نہ سمجھنا نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ پس زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں سمجھے ' ورنہ قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ کوئی خشک و تر ایسا نہیں ' جو قرآن مجید میں نہ ہو۔ کوئی آسمانوں کی اور زمینوں کی پوشیدہ چیز ایسی نہیں جو اس میں نہ ہو ' یہ میں آیات کا لفظی ترجمہ کر رہا ہوں۔ کسی جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہی ' جو ہم نے اس کتاب میں جمع نہ کر دی ہو۔ تو دعویٰ ہے اتنا بڑا ' اور ہماری عقول کا اندازہ آپ فرمایئے کہ ہماری سمجھ ابھی یہاں تک بھی نہیں پہنچی کہ نماز کی تفصیل ہی معلوم کر سکیں۔ جو افضل عبادت ہے۔ اور اصول کے بعد سب سے بڑی چیز ہے۔ اس کی تفصیل کو غالباً اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ انسان یہ سمجھ سکے کہ میں اتنا بھی نہیں ہوں کہ نماز کی تفصیل ہی قرآن مجید سے نکال سکوں روزہ کی تفصیل کا بھی ذکر نہیں ہے۔ اور حج کے ارکان بھی اس میں نہیں ہیں۔ لیکن دعویٰ یہ ہے کہ سب کچھ اس میں موجود ہے۔ لہٰذا ہے اور بلا شبہ ہے۔ تو اب ہمیں یہی سمجھنا پڑتا ہے کہ ہماری عقلوں کی رسائی وہاں تک نہیں ہے۔ اور کسی چیز کا نہ جاننا ' اس کے نہ ہونے کی دلیل چونکہ نہیں ہو سکتا لہٰذا کسی کا یہ کہنا کہ اس میں فلاں چیز نہیں ہے۔ غلط ہے بس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے پاس اتنی عقل نہیں ہے کہ ہم سمجھ سکیں۔

قرآن کی جامعیت کو کچھ سمجھانے کے لئے ہمارے پاس بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ خود اپنی بھی اور خارجی چیزوں میں بھی ' ایک شخص نوٹ کرکے آتا ہے کہ میں یہ تقریر کروں گا۔ اس کے ذہن میں ہے محفوظ۔ اس نے جب ذرا

سی توجہ کی تو ساری تقریر اس کے سامنے آگئی۔ تو وہ ذرا سی توجہ ایک آنی چیز ہے ۔ یعنی ایک آن میں اس کی طرف تصور ہوجاتا ہے۔ لیکن جب وہ تقریر کے ذریعے سے مفصل کی جاتی ہے تو دو دو گھنٹے لگ جاتے ہیں اور وہ تقریر ختم نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے گویا یہ کتاب ایک اجمالی حیثیت رکھتی ہے۔

قرآن مجید کے ہر مضمون پر ایمان لانا ' موقوف ہے اس بات پر کہ وہ مضامین سمجھ میں آ جائیں۔ لیکن چونکہ سمجھ میں نہیں آتے لہٰذا یا ایمان ہو سکتا ہے قرآن پر ' یا ایمان ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر نہیں ہو سکتا ہے تو پھر کسی کا بھی ایمان نہیں ہے سوائے ان کے جن پر نازل ہوا اور اگر ہو سکتا ہے تو پھر اتنا ہی کافی ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جو خداوند عالم نے اپنے حبیب جناب رسالت مآبؐ پر نازل کی ہے اب اس کے نازل ہونے کے اسباب کیا تھے وہ اس وقت قابل ذکر نہیں ہیں۔ عرض کرنا فقط یہ ہے کہ ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ جو کچھ اس میں بیان کیا گیا ہے ' وہ حق ہی حق ہے اور اس میں صاف طریقے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے لہٰذا ہمارا یہ اعتقاد ہونا چاہئے کہ ہر چیز اس میں موجود ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہم نہیں سمجھتے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان ہر چیز کو سمجھ لے۔ آج کل جو سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی کسی مقام پر جاکر ٹھہر جاتے ہیں۔ کہ یہ چیز سمجھ میں نہیں آئی۔ خدا کے ماننے کے بعد کچھ ضروری ہوجاتا ہے کہ انسان اپنے کمال تک پہنچنے کے لئے ہر چیز کے اسباب کو سمجھ لے لیکن یہ جتنے بڑے بڑے باکمال لوگ دنیا میں تھے ' یا ہیں ' ان میں سے ایک شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں ہر چیز کے سبب کو سمجھ رہا ہوں۔ سبب اور چیز ہوتا ہے اور مسبب اور چیز ہوتا ہے ' سبب سمجھ میں نہیں آتا تو مسبب کیا سمجھ میں آئے گا۔ علت معلوم نہیں ہو سکتی تو معلول کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔

یہ لفظ حیات ہے نا - ہر جانور بھی سمجھتا ہے کہ میں زندہ ہوں - میں زندہ ہوں کا مطلب یہ ہے کہ مجھ میں زندگی موجود ہے - عالم کو تو چھوڑیئے - جاہل بھی جانتا ہے کہ زندگی ایک چیز ہے' لیکن جتنے ترقی یافتہ اس زمانے میں ہیں یا اس سے پہلے ہو چکے ہیں - ان کی سمجھ میں آج تک یہ نہیں آیا کہ حیات ہے کیا' اور کہاں سے آئی - یونہی اندازے اور تخمینے کے بعد باتیں بنائی جاتی ہیں اور آخر میں کہہ دیا جاتا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ سمجھ میں نہیں آئی بات - اتنی واضح سی چیز ہے یہ' آپ کسی طرف چلے جائیے' کسی نہ کسی مقام پر پتہ نہیں چلے گا کہ اس کا سبب کیا ہے -

آپ باتیں کرتے ہیں اس سے آپ متاثر ہوتے ہیں' کبھی خوشی ہوتی ہے' کبھی رنج ہوتا ہے' یہ کونسی چیز ہے جو چیزوں کا ادراک کرتی ہے - کہا جاتا ہے کہ مغز ہے انسان کا جو ادراک کرتا ہے - ہوتا کیا ہے؟ یہاں سے آواز نکلی آپ کے کانوں تک ہوا نے پہنچا دی - کانوں کے پردے سے ٹکر لگی اس کے بعد باریک باریک اعصاب پروردگار عالم نے بنائے ہیں - جن کا تعلق عقل سے ہے - ہوا کی ٹکر کی وجہ سے ان باریک اعصاب میں حرکت پیدا ہوئی - یہ حرکت مغز تک پہنچی تو اس نے ادراک کیا - اب اگر یہ پوچھا جائے کہ یہ ادراک کیسے ہوا - تو یہاں آدمی ختم ہو جاتا ہے کہ کیوں ہوا - جگہیں قدرت نے بنا دی ہیں' کہیں قوت واہمہ رہتی ہے - کہیں قوت متخیلہ رہتی ہے - کہیں قوت حافظہ ہوتی ہے - ان کا پتہ ایسے چلا کہ جب دماغ میں کہیں چوٹ پڑ گئی اور وہ حصہ ماؤف ہو گیا تو ایک قوت غائب ہو گئی - مثلاً حافظہ جاتا رہا - معلوم ہوا یہ وہ جگہ ہے جہاں قوت حافظہ رہتی ہے اسی طرح سے دماغ کے مختلف حصوں کے افعال کا پتہ چلا - لیکن وہ دانے دانے جو بنے ہوئے ہیں مغز کے اندر' آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ہر ایک دانے کا کیا خاصہ ہے اور اس میں کتنے کمالات قدرت نے پیدا کر دیئے ہیں

ان سب چیزوں کو تو چھوڑیئے ۔ خدا گواہ ہے الگ الگ مزاج نہ معلوم ہو سکا ۔ اتنا معلوم ہوا کہ ہر شخص کا مزاج الگ ہے ۔ شکلیں بدلی ہوئی ہیں لہٰذا یہ دلیل ہے کہ مزاج الگ الگ ہیں ۔ لیکن اس کا تجزیہ کہ کس کا مزاج کتنا ہے اور کیسا ہے یہ آج تک تفصیل نہیں معلوم ہو سکی دنیا آج تک کتنی جاہل ہے ۔

صرف پانچ حاسے تو ہیں نا کہ جن کے ذریعے سے آپ دنیا بھر کی چیزیں نکالتے ہیں اور وہ اس طرح کہ یہ حاسے عقل تک پہنچا دیتے ہیں اور عقل وہاں پر اپنے تصرفات کرتی ہے اور نئی نئی چیزیں بناتی ہے ۔ اور بگاڑتی ہے ۔ انہی حاسوں میں سے اگر ایک حاسہ خراب ہو جائے تو اس حاسے سے جتنے علوم ہیں ۔ سب سے نا واقفیت ہو جائے ۔ آنکھ کو لیجئے ۔ کتنے علوم ہیں جو آنکھ سے متعلق ہیں ۔ اگر مادر زاد کوئی اندھا ہو تو ان علموں میں سے ایک علم بھی نہیں سیکھ سکتا ۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ کسی کے پچاس حاسے ہوں ' بجائے پانچ کے ' تو وہ کتنے علوم کا مالک ہو گا ۔ جن کا ہمیں تصور ہی نہیں ہو سکتا ۔

بہر حال ایک چیز ہے ۔ زمانہ اس وقت جا رہا ہے سائنس کی طرف ۔ اس میں شک نہیں کہ بے حد ترقی بھی ہو چکی ہے ۔ ممکن ہے آپ حضرات کو اس میں اختلاف ہو ۔ مگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جس کا نتیجہ یا انجام اچھا ہو ' وہ چیز اچھی ہے ۔ اور اگر انجام خطرناک ہے تو چیز بری ہے ۔ چاہے اس کے مقدمات کتنے ہی اچھے نظر آئیں ۔ یہ جتنی بھی ترقیاں ہیں آپ خود دیکھ رہے ہیں اور آپ اندازہ کر رہے ہیں اور صرف اندازہ نہیں اگرچہ یقینی حد تک نہ پہنچی ہو مگر ظنی کیفیت تو موجود ہے کہ یہی ترقی ایک دن لے کر ڈوب جانے والی ہے اس دنیا کو ۔ تو جس کا نتیجہ عالم کا فنا ہو جانا ہو ' سمجھے آپ ۔ تو اگر فنا ہو جانا اچھا ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ ترقی ہے اور اگر فنا ہو جانا جو انجام و نتیجہ ہے وہ برا ہے تو آپ سمجھ لیجئے کہ یہ سب چیزیں ترقی کی طرف نہیں بلکہ تنزل کی طرف لے جا رہی ہیں ۔ ترقی انسان

کی اصل میں اس چیز کی ہے جس کی وجہ سے انسان بنا ہے۔ اور وہ ہے روحانی ترقی۔ اگر روحانیت میں ترقی ہے تو بلاشبہ ترقی ہے کیونکہ روحانی ترقی کبھی آپ کو تباہی کی طرف نہیں لے جائے گی وہ ہمیشہ آبادی کی طرف لے جانے والی چیز ہے۔

قرآن مجید میں پروردگار عالم نے کچھ اشارات فرمائے ہیں اور قسم کھائی ہے اس جگہ کتاب کی، جو کھلے ہوئے ورقوں پر لکھی ہوئی ہے۔ اب یہ کون سی کتاب ہے جو کھلے ہوئے ورقوں پر لکھی ہے، اس کی کچھ توضیح مقصود ہے۔

سب سے بڑی کتاب ہے قرآن مجید۔ یہ تو عالم کے کھلے ہوئے ورقوں پر نہیں لکھی ہوئی۔ یہ تو اتنی چھوٹی چھوٹی بھی لکھی جاتی ہے جو تعویز کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ بڑے سے بڑا قرآن اگر لکھ لیا جائے تو وہ بھی چند ہی ورق ہوں گے۔ یہ عالم کے کھلے ہوئے ورقوں پر لکھی ہوئی کون سی کتاب ہے۔ صرف اتنا ہی عرض کرنا ہے اور اس پر ختم کر دینا ہے۔

جس چیز میں کچھ چیزیں جمع کر دی جائیں، وہ لغت عرب کے اعتبار سے کتاب ہے۔ قرآن مجید میں چونکہ سب چیزیں جمع کر دی ہیں، لہٰذا وہ سب سے بڑی کتاب ہے پروردگار عالم کی، آیتوں کا مجموعہ ہے قرآن مجید۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قدرت کی ایک ایک نشانی ہے۔ میرے محترم حضرات اگر یہ قرآن مجید کسی کے اندر جمع کر دیا گیا ہو، تو وہ عالم القرآن سب سے بڑی کتاب ہو گی نا۔ تو کون وہ؟ وہ سینہ ہے جناب محمد مصطفیٰ کا۔ جن کے قلب پر نازل ہوا۔ لہٰذا قلب جناب رسالت مآب اس کتاب عظیم کا مرکز ہے۔ اس لئے اعظم ہے وہ کتاب۔ یعنی وہ سینہ ہے جناب محمد مصطفیٰ کا۔ اچھا اب یہ تمام اوراق عالم پر لکھی ہوئی ہے۔ یعنی یہ ہر ذرہ پر لکھی ہوئی ہے۔ اب اس کی توضیح کرنی ہے آپ کے سامنے۔

کہا یہ جاتا ہے کہ پروردگار عالم کی قدرت کا جلوہ ہر ذرہ میں نظر آ رہا ہے

اور ہے بھی ٹھیک۔ مگر یہ آنکھ اس جلوے کو بھی نہیں دیکھ سکتی۔ بہت سے لوگ خدا کے وجود ہی کے منکر ہیں۔ اور اگر وہ منکر نہیں تو کم از کم حدیقین تک تو یہ چیز نہیں پہنچی ہوئی۔ یعنی ان لوگوں کا یقین حدیقین تک نہیں پہنچا ہوا۔ جو لوگ مانتے ہیں وہاں بھی یہ چیز حدیقین تک نہیں پہنچی ہوئی۔ اگر کسی شخص کے متعلق آپ یہ جاننا چاہیں کہ یہ شخص فلاں کا دوست ہے یا نہیں۔ تو اس کے لیے من جملہ اور طریقوں کے ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے جا کر' اس کی برائی شروع کر دیں۔ اگر وہ برائی کو سن کر پی جائے تو سمجھئے دوستی تو نہیں۔ اگر وہ بھی کچھ تائید کرنے لگے' تو سمجھ لیجئے کہ ظاہر میں کچھ ہو دل میں یہ بھی مخالف ہے' یہ ایک بڑی صاف سی چیز ہے۔ خدا کے متعلق آج کل ننانوے فیصد آدمیوں سے پوچھئے اور اس طرح سے پوچھئے' یہ نہ پوچھئے کہ وہ ہے یا نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح سے باتیں کیجئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا' وغیرہ وغیرہ تو اس طریقہ کار سے لوگ اگل پڑتے ہیں۔ مصیبتیں پڑتی ہیں' تو دل سے جو شکایت اٹھتی ہے' وہ بمعنی انکار ہوا کرتی ہے۔ کہ دل قبول نہیں کر رہا ہے۔ تو اب یہیں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یقین کی حد کہاں تک ہے۔

بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہر ایک ذرہ میں اس کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ اور یہ ٹھیک ہے ہمیں اس پر بحث نہیں کرنی ہے مگر میں نے یہ عرض کیا کہ بہت سی آنکھیں وہ ہیں جو ان جلووں کو نہیں دیکھتیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو پہلے ہی سے اس کا انکار کر رہے ہیں' تو ان کو اس طرف توجہ بھی نہیں ہوتی ہے۔ کہ کوئی جلوہ نظر آ رہا ہے یا نہیں۔ لیکن بہرحال جن کا تھوڑا بہت اعتقاد ہے اور کچھ نہ کچھ علمی روشنی میں دلائل کی حیثیت سے ان کو کسی قدر ظن ہے۔ بلاشبہ ان کو نظر آ رہا ہے کہ ہر ایک ذرہ میں پروردگار عالم کا جلوہ ہے اور ہر ذرہ گویا بتلا رہا ہے کہ میں خود نہیں بنا' مجھ کو انسان نے نہیں بنایا' جو سب سے بڑی مخلوق

ہے۔ یعنی جس کی ترقی بڑی اونچی ہو چکی ہے' اس نے نہیں بنایا۔ اور وہ بنائے گا کیا۔ جو اس قابل نہیں ہے کہ اس ذرہ کو بگاڑ سکے۔ تو جب نہیں بنا سکا' انسان۔ تو کوئی نہ کوئی تو ہے جس نے بنایا ہے اسے۔ تو کم از کم وجود ہر ایک ذرے کا' اس امر کی دلیل ہے کہ کوئی ہے بنانے والا۔ لہٰذا اس کا جلوہ نظر آرہا ہے اور کتنا واضح اور نمایاں نظر آرہا ہے اور اسی اعتبار سے پروردگار عالم نے یہاں جناب رسالت مآبؐ کی مدح فرمائی ہے' کہ میں اس کتاب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو کھلے ہوئے ورقوں پر لکھی ہوئی ہے۔ یعنی عالم کا کوئی ذرہ نہیں' جو یہ نہ بتلا رہا ہو کہ بنانے والا اور ہے۔ اور جس کے ذریعے سے بنا ہوں' وہ اور ہے۔

میری نظر میں ایک دلیل ہے جس کو اس وقت آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مقدمات تو کبھی بیان کئے ہیں۔ لیکن اس وقت اس نتیجے کو پیش کرنا چاہتا ہوں' کہ جو اتفاق سے ذہن میں آیا۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم یقینی حیثیت سے اس کلیے پر قائم ہیں کہ ہر مصنوع تعریف ہوا کرتا ہے۔ صانع کی۔ یعنی ہر بنی ہوئی چیز حمد ہوتی ہے بنانے والے کی۔ اگر بنی ہوئی چیز میں عیب ہے تو بنانے والے میں عیب نظر آتا ہے اور اگر بنی ہوئی چیز میں کمال نظر آتا ہے تو بنانے والے میں کمال ہوتا ہے۔ یہ ایک مسلم چیز ہے۔ بنانے والا تعریف کامل ہوتا ہے اور بنی ہوئی چیز تعریف ناقص ہوتی ہے کیونکہ بہرحال وہ افضل ہے جس نے بنایا ہے اور بہرحال مفضول ہے جو بنائی گئی ہے۔ تو اگر بنی ہوئی چیز ایسی نظر آئے جس میں نقائص موجود ہوں تو اتنا معلوم ہو گا کہ بنانے والے میں کچھ نہ کچھ نقص ہے۔ اگر اس میں نقص نہ ہوتا تو اس بنی ہوئی چیز میں نقص نظر نہ آتا۔

انسان سے بہتر بنی ہوئی چیز ہمیں عالم میں نہیں دکھائی دیتی۔ یہ تمام چیزوں سے بالاتر مصنوع ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس کے بنانے کے بعد پروردگار عالم نے اپنی تعریف بھی کی ہے۔ **تبارک اللہ احسن الخالقین**۔ لہٰذا

تمام مخلوقات میں سب سے بلند مصنوع ہے انسان ۔ لیکن جب خود انسان کو ہم دیکھتے ہیں تو اس میں سر سے پاؤں تک ہمیں عیب نظر آتے ہیں ۔ جہالت عیب الگ ہے ۔ عاجزی کا عیب الگ ہے ۔ نقائص کا مجموعہ ہے انسان ۔ تو یہ عیوب اور یہ نقائص اگر پروردگار عالم کی طرف منسوب ہوجائیں ۔ تو پھر وہ خدا ہی نہ رہے گا ۔

اب ذرا توجہ سے اس چیز کو سنئے گا ' بنی ہوئی چیز کا عیب بنانے والے تک پہنچتا ہے ۔ لہٰذا اس انسان میں جتنے نقائص ہیں وہ پہنچ جائیں گے وہاں تک ' تو وہ خدا ہی نہ رہے گا ' دونوں کلیوں کو مانتے ہوئے کہ مصنوع تعریف ہے اور حمد ہے صانع کی ' اس کو بھی مانتے ہوئے یہ کہنا پڑے گا ' کہ انسان بے شک مصنوع ہے ' لیکن کچھ وسائط آ گئے ہیں ۔ جن کی وجہ سے یہ نقائص نظر آتے ہیں ۔

یہ مسلم ہے کہ خدا کی ذات بے عیب ہے ' اور دوسری طرف یہ مسلم ہے کہ انسان میں عیب ہیں ' اور تیسری طرف یہ مسلم ہے کہ مصنوع تعریف ہوتا ہے صانع کی ۔ ان مسلمات میں سے کسی چیز کا انکار نہیں کیا جاسکتا ۔ تو یہ دلیل ہے اس امر کہ کی ' کہ یہ انسان بے شک کتنا ہی بڑا ہو ' مگر براہ راست خدا کا مصنوع نہیں ہے ۔ یعنی اس کی خلقت میں کچھ نہ کچھ واسطے آئے ہیں ' جن کی وجہ سے اس میں یہ عیوب دکھائی دے رہے ہیں ۔ اگر وہ وسائط نہ ہوتے اور یہ براہ راست خدا کا مصنوع ہوتا تو پھر اس میں یہ عیب نہ ہوتے ۔

مصنوع ہونا ' خود ایک کمزوری ہے اور خود ایک عیب ہے ' صانع کے اعتبار سے ۔ کیونکہ وہ بہرحال کامل ہے اور یہ بہرحال ناقص ہے تو اتنا عیب تو مصنوع کے اعتبار سے ہوگا ہی ' لیکن اس کے علاوہ اگر اور عیوب ہوں گے تو وہ خدا کی ذات میں نظر آئیں گے ۔

تو اب جہاں تک آپ چلے جائیں گے ' اور اوپر ہوتے جائیں گے کوئی مقام ایسا ضرور آئے گا ' کہ جہاں پر کوئی عیب نہ ہو ۔ تو جتنی چیزوں میں عیب نظر

آئیں، وہ براہ راست مخلوق نہیں ہوں گی۔

اس چیز کو تفصیل کے ساتھ کئی بار عرض کر چکا ہوں۔ مختصراً اس وقت بھی کہنا چاہتا ہوں، کہ انسان میں ہزار ہا قسم کے عیب دکھائی دیتے ہیں، مثلاً جوان ہوا تو ٹی بی کی جراثیم اس میں نظر آنے لگے۔ یہ عیب خدا کی طرف سے نہیں آئے۔ بلکہ یہ عیب ماں باپ کی طرف سے آگئے۔ ان میں شاید کسی میں یہ مرض رہا ہوگا۔ اگر ان میں نہ تھا، اور یہ عیب آگیا تو ان لوگوں کی وجہ سے آگیا ۔جن کی صحبت میں رہا، اور وہ لوگ ٹی بی میں مبتلا تھے۔ یہ بھی نہ ہوا کچھ چیزیں ایسی استعمال کر لیں جن کی وجہ سے یہ عیب پیدا ہوگیا بہرحال یہ عیب جو ہیں وہ وسائط تک جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے۔ بعض مقامات ہیں ایسے، جہاں کے پیدا ہونے والے میں کچھ خاص صفتیں ہوتی ہیں، جو دوسرے مقامات کے پیدا ہونے والوں میں نہیں ہوتیں۔ مثلاً جہاں آفتاب کی شعائیں سیدھی پڑ رہی ہیں ۔ ان لوگوں کے مزاج بالکل الگ ہوں گے۔ ان لوگوں سے کہ جہاں کے رہنے والوں پر آفتاب کی شعائیں ترچھی ہو کر پڑتی ہیں۔ تو اگر کوئی عیب آجائے ان چیزوں کے اختلاف کی وجہ سے، تو ان وسائط ہی تک پہنچ کر رہ جائیں گے نا۔ کہیں کی آب و ہوا میں رطوبت ہے، کہیں کی آب و ہوا میں یبوست ہے۔ یہ یبوست اپنا اثر دکھلائے گی۔ رطوبت اپنا اثر دکھلائے گی۔ یہ اثرات عیوب کی حد میں آجائیں گے تو انہیں وسائط تک تو ختم ہو جائیں گے نا۔ آگے نہیں بڑھیں گے۔

لیکن اگر کوئی مصنوع ایسا ہو، کہ جب وہ بنا تو کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ اور وہاں خدا براہ راست بغیر کسی واسطے کے اس کو بنانے والا ہو۔ تو اس میں کوئی عیب نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ خدا بے عیب ہے۔

اب کسی کو کتنا ہی بڑا مخلوق آپ سمجھ لیں، جہاں آپ کو عیب نظر آئے

۔ سمجھ لیجئے ۔ درمیان میں واسطہ تھا ۔ اس کے پیدا ہونے میں ۔

تو پہلا مخلوق ' وہ ہے بے عیب ۔ اگر وہ نہ ہوتا ' تو دوسرا کوئی مخلوق پیدا نہ ہوسکتا ۔ کیوں ؟ اس لئے پیدا نہ ہوسکتا کہ اس میں عیب ہے ' اور معیوب چیز براہ راست پیدا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی ۔ لہٰذا سب سے پہلے پیدا ہونے والا ' تمام کائنات سے افضل ہوگا ۔ اب یہی براہ راست مخلوق ہوگا خدا کا ۔ اگر وہ نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا ۔ وہ بغیر واسطہ بنا تو یہ تمام کائنات خلق ہوئی ۔ اب آپ یہ کہیئے گا کہ اس واسطے تک تو یہ عیب جائیں گے' یہ حقیقت امکانیہ کہ جس میں وجود و عدم دونوں برابر کے شرک ہوں ' واجب الوجود تو ایک ہی ذات ہوسکتی ہے ۔ مگر حقیقت امکانیہ میں دونوں ہی چیزیں آئیں گی ۔ اس کے بعد عالم کی دوسری چیزیں جو بنیں گی وہ وسائط کے ذریعے سے ہی بنیں گی ۔ اور ان میں یہ عیب نظر آئیں گے ۔ سب سے پہلا مصنوع جو ہے ۔ اس میں مصنوع ہونے کے علاوہ کوئی عیب نہیں ۔ وہ واسطہ ہوا تو عالم بنا ۔ وہ اگر نہ ہوتا تو عالم کا کوئی ذرہ نہ ہوتا ۔

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ہر ذرہ بتلا رہا ہے کہ وہ براہ راست نہیں بنا ۔ کیونکہ لاکھوں عیب ہیں مجھ میں ۔ کوئی نہ کوئی واسطہ تھا ۔ تو میں اس کا بزبان بے زبانی یہ کہنا کہ براہ راست مخلوق نہیں ہوں بلکہ میری خلقت میں کوئی واسطہ ہے آخری ۔ اس واسطے کے موجود ہونے کی دلیل ہے یا نہیں ۔ جس طرح ہر ذرہ یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے خدا نے بنایا ہے ' یعنی خود نہیں بنا ۔ اسی طرح وہ کہہ رہا ہے کہ میں براہ راست نہیں بنا ۔ میرے اور خدا کے درمیان کوئی واسطہ تھا ۔ یہی ہے وہ کتاب جو ہر ورق پر لکھی ہوئی ہے ۔ جہاں خدا کے وجود پر ہر ذرہ دلیل ہے وہاں اس واسطے کے وجود پر بھی دلیل ہے ۔ یہی ہے وہ کتاب جس کی قسم کھا رہا ہے اور اس میں شک نہیں کہ قسم کھانے کے لئے اس سے بہتر اور چیز کیا ہوسکتی ہے ۔

یہ ہے حقیقت محمدیہ جس کو پروردگار عالم نے بغیر واسطہ بنایا ' اور تمام چیزوں کے وجود میں آنے کے لئے یہی حقیقت محمدیہ واسطہ ہوئی۔

غیب اس وقت تک غیب نہیں ' جب تک کہ ظہور نہ ہو۔ اور ظہور اس وقت تک ظہور نہیں جس وقت تک غیب نہ ہو۔ یہ عالم غیب تھا لیکن عالم غیب ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ سب کے لئے غائب تھا۔ بنانے والے کے لئے ظاہر تھا۔ ہمارے لئے اس کو ظاہر ہونا تھا۔ تو اب یہ چیز کہ اس کی مصلحت کا مقتضیٰ کیا ہوا اور کب ہوا ' یا کیا تھا ' کہ کب ظاہر ہو گا۔ بہرحال وہ غیب ایک مرتبہ عالم ظہور میں آیا ' یعنی جناب محمد مصطفیٰؐ اس عالم میں پیدا ہوئے۔ یعنی ظاہر ہوئے۔ اور ظاہر ہوئے ھادی کی حیثیت میں ' اور ھادی کے لئے ضروری تھی یہ چیز کہ وہ انہی جیسا ہو ' شکل کے اعتبار سے ' اوصاف کے اعتبار سے ' جن کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔ اگر یہ بالکل نہ کھاتے پیتے ' ہدایت کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ کیونکہ سننے والے کہتے۔ یہ تو ان کے لئے ہے ' یہ کرسکتے ہیں ' ہم کچھ بھی نہیں کرسکتے ' تو یہ چیزیں ان کے لئے ہونے چاہئیں۔ اسی لئے قرآن مجید نے کہا ' اگر ہم ھادی کسی فرشتے کو بنا کر بھیجتے ' جب بھی انسان کی شکل میں بھیجتے۔ تو جب انسان کی شکل میں آنا تھا ' تو ان کا چلنا پھرنا ' رہنا سہنا ' ہماری طرح ہونا چاہئے تھا۔ اور ہماری طرح ان کو اٹھ جانا بھی تھا۔ تو اگر اٹھ جاتے تو دنیا میں کسی چیز کے رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ سب سے اول غایت و غرض جو ہوتی ہے کسی چیز کی ' وہ آخر میں آتی ہے۔ مکان بنانے کی غرض یہ ہے کہ ہم رہیں ' تو ہمارا رہنا ' بن جانے کے بعد ہے۔ ذہن میں مکان کا وجود ہو گا پہلے ' کہ یہ بنائیں گے۔ یہ دیواریں ہوں گی ' اور یہ کمرے ہوں گے۔ لیکن وہ جو غرض ہے رہنے کی ' وہ اس وقت حاصل ہوگی جب یہ بن جائے گا۔ تو اب جب یہ حاصل ہو گئی ' تو ختم ہو گئی علت۔

اب حضور والا ! وہ اول مخلوق جب اس عالم ظہور میں آئے گا اور اس طرف چلا جائے گا ' تو عالم کو ختم ہو جانا چاہئے ۔ لیکن جانے کے بعد ختم نہ ہوا ۔ معلوم ہوا وہ خود چلا گیا ' لیکن کسی ایسے کو چھوڑ گیا کہ جو اُس جیسا تھا ۔ جس نے عالم کو اپنے مقام پر باقی رکھا ۔ اور ویسا ہو نہیں سکتا تھا ' کوئی کیونکہ وہ بغیر واسطہ تھا اور مکمل تھا لہٰذا ضرورت ہوئی اس بات کی کہ اس کے ٹکڑے کر دیئے جائیں ۔ تاکہ حقیقت میں سب کے سب ایک ہی ہوں اسی لیے خود ارشاد فرمایا کہ **اولنا محمد و اخرنا محمد و اوسطنا محمد و کلنا محمد** ۔ اجزائے حقیقت سب کے سب ایک ہیں ۔

حقیقت محمدیہ اس حد یقین پر ہو گی کہ جس کے بعد یقین کی کوئی منزل ہی نہیں ' علم الیقین ' عین الیقین ' حق الیقین ' یہ یقین کے درجات ہیں ۔ وہ اس نقطہ آخر پر ہو گا کہ جس کے بعد کوئی نقطہ اور درجہ ہی نہیں ہے ' جب وہ ایسا ہو گا تو جو اس کے اجزا ہوں گے وہ بھی ایسے ہی ہوں گے ' ایسے نہیں ہونے چاہئیں کہ بعض صورتوں میں کبھی شک ہو جائے یا بعض چیزوں میں ظن پیدا ہو جائے بلکہ اب یہ صورت ہو گی کہ امیر المومنین فرمایا کرتے تھے **لو کشف الغطاء لم ازددت یقینا** ' پردے اگر ہٹا بھی دیئے جائیں تو اب یقین کی منزل ختم ہو چکی ہے اس کے بعد کون سا نقطہ ہے کہ جو سامنے آئے گا ۔ کیونکہ وہ اسی حقیقت اولیہ کا جز ہے اور اسی کی وضاحت کے لیے فرمایا گیا **انا و علی من نور واحد**

اس امر کی ضرورت کیا تھی کہ اجزا کئے جائیں ضرورت ایک تو یہ تھی کہ ان لوگوں کے دماغ ہم جیسے تھے ۔ عرب میں پیدا ہونے کی وجہ سے تو کوئی خصوصیت نہیں آجاتی کسی میں عرب میں مرحب بھی پیدا ہوا عمرو بھی پیدا ہوا ۔

ابو جہل بھی پیدا ہوا۔ فطری طور پر کسی کا دماغ کیسا ہی بنا، کسی کا کیسا ہی بنا، مگر نوع کے اعتبار سے سب یکساں حیثیت رکھتے ہیں، نوعی حیثیت میں سب یکساں ہیں سوائے ان کے جن کو خدا اسی لیے بنائے اور جب اسی لیے بنائے گا تو وہ نوعی اعتبار سے بلند ہوں گے۔ کیونکہ سب یہاں پڑھیں گے اور وہ وہاں سے پڑھ کر آئیں گے بلکہ ان کی خلقت ہی الگ ہو گی۔ میرے بزرگو! جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں تشریف لائے اور آپ اس حد کمال پر تھے کہ جس کے بعد اب حقیقت امکانیہ میں کمال کے لیے جگہ ہی نہیں۔ ایسے تھے تو اب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت کی۔ بہت سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہے، سنتے رہے اور ان سے سیکھتے رہے۔ مگر حالات بتلاتے ہیں کہ ان کے بعد اکثر مسائل کی جب لوگوں کو ضرورت پڑی تو پھر کوئی یہ کہنے والا نہ تھا کہ اس مسئلے کے متعلق رسول نے یہ بیان کیا ہے، یہ جو اختلاف ہوئے نا۔ میراث میں الگ ہیں۔ نکاح و طلاق کے مسائل میں الگ ہیں۔ نماز و روزے کے مسائل میں الگ ہیں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک مسئلہ نہیں ہے پچاسوں مسئلے ایسے آئے کہ ان مسئلوں کا حل نہ تھا کہیں۔ اب یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کر گئے تھے۔ اگر نہیں بیان کر گئے تھے تو تکمیل دین نہیں ہوئی تھی اور اگر بیان کر گئے تھے تو یہی معلوم ہو گا کہ لوگوں کو یاد نہیں رہا صرف اتنا ہی ہے۔ نہ کہ عمداً نہیں بتلایا بلکہ لوگوں کو یاد نہیں رہا۔ بہت سی مثالیں ایسی ہیں ہمیں دس سال پہلے کی چیزیں آج یاد نہیں ہیں۔ جتنی عمر زیادہ گذرتی چلی جاتی ہے قوت ناسیہ اپنا عمل تیز کرتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ دو دن پہلے کی چیزیں بھی یاد نہیں رہتیں تو اب ہم سب کا حافظہ ایسا ہی ہے تو کوئی حافظہ ایسا ہونا چاہئے جس میں ذرہ ذرہ کا علم ہو۔ معلوم نہیں کس ذرہ کے متعلق سوال ہو جائے۔ تو یہ، یہ منہ کے

کہ میں نہیں جانتا' تب ہے کمال محمدی کا ظہور۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ اس حقیقت کے اجزا کر دیئے جائیں تاکہ وہی کمال ان میں نظر آئے۔

اس حقیقت کے اجزا اس لیے بھی کیے گئے تاکہ یہ قیامت تک باقی رہیں' اور ان کی وجہ سے زمین و آسمان یعنی یہ جو حکومت معنوی ہو رہی ہے وہ قائم و برقرار رہے۔

حکومت ظاہری اور ہے اور حکومت باطنی اور ہے۔ **سخر لکم ما فی السموت و ما فی الارض** قرآن مجید میں کئی جگہ ہے۔ ہم نے تمہارے لیے مسخر بنا دیا ہر چیز کو' جو آسمان اور زمین میں ہے۔ اب لوگ اس کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ہوا میں ہوائی جہاز چلا رہے ہیں ہم اتنی دور تک جا رہے ہیں۔ فلاں شخص نے تسخیر جن کی ہے۔ کیا مطلب اس کا؟ یعنی جن کو قابو میں کر لیا ہے۔ جب کہتے ہیں کہ فلاں کام کر لاؤ۔ وہ کر لاتا ہے کیا یہی معنی ہیں تسخیر کے؟ ہزار ترقیاں کر چکے آپ۔ اس کے معنی کیا یہ ہیں کہ تسخیر ہو گئی۔ یعنی جس دن چاہیں آپ کہیں ہوا سے کہ تیز چل تو وہ چلے گی اور جس دن آپ چاہیں کہ بارش ہو تو وہ ہو گی؟ تسخیر کا مطلب تو یہ تھا کہ ہمیں جانے کی ضرورت نہ ہو کسی چیز کو اگر حکم دیں تو وہ خود بخود چلی آئے۔ لیکن آپ کے قبضے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ تو اس نے ایک قدرت دے دی ہے کہ آپ چلتے پھرتے ہیں' تو کیا زمین مسخر ہو گئی یا اس چلنے پھرنے سے زمین کو مسخر کیا جا سکتا ہے۔ تسخیر یہ ہے کہ جیسے میری آنکھ ہے میرے ہاتھ پاؤں ہیں' یہ مسخر ہیں میرے لیے میں حکم دیتا ہوں آنکھوں کو کہ دیکھو' وہ دیکھتی ہیں حکم بھی نہیں دیتا ارادہ کرتا ہوں کہ دیکھو' تو دیکھتی ہیں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ بند ہو جاؤ وہ بند ہو جاتی ہیں یہ ہے تسخیر' ہے دنیا کی کوئی چیز آپ کی تسخیر میں۔ تو معلوم ہوا حقیقی معنی کسی میں نہیں پائے جاتے مگر کوئی تو ہو گا جو حقیقی معنی کا مصداق ہو گا وہ وہی ہوں گے جن کے صدقے میں

بنائی گئی ہوگی دنیا۔ انہوں نے تصور کیا تو ستارہ گھر میں اتر آیا انہوں نے انگلی کا اشارہ کیا تو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے انہوں نے تصور کیا تو ڈوبا ہوا آفتاب پلٹ کر آگیا۔ یہ ہے تسخیر۔

اس کے بعد اس کی ضرورت تھی کہ حقیقت محمدیہ قیامت تک کے لیے باقی رہے۔ تاکہ دنیا میں جتنے کمالات نمودار ہوں، ان سب کا مقابلہ کر کے بتلائیں کہ دیکھو یہ مادی قوتیں ہیں اور ناقص ہیں، اور ہم روحانی قوت کے مالک ہیں اور کامل ہیں۔ کبھی کبھی میں کہا کرتا ہوں کہ اگر اور کچھ نہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وہی ایک فرمان موجود ہو تو ایمان لانے کے لیے کافی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا جو بارھواں جانشین ہے۔ جو آخری زمانے میں آئے گا، جس کا لقب حضرت ہی نے مہدی فرمایا، جس وقت وہ ظاہر ہو گا تو وہ کعبے کی دیوار سے پشت لگا کر کھڑا ہو گا اور آواز دے گا کہ میں آگیا ہوں۔ لوگو آؤ میرے ساتھ رہو اور میری مدد کرو۔ جس وقت وہ یہ آواز دے گا تو ساری زمین غرب و شرق کی، تحت و فوق کی، کسی جگہ کی زمین ایسی نہ ہو گی کہ جس پر کوئی جاگنے والا اور سونے والا ہو اور اس کو آواز نہ پہنچے۔ گویا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دیکھ رہے ہیں کہ وہ زمانہ کس چیز میں کمال کا زمانہ ہو گا تاکہ وہ آکر اسی چیز کو پیش کرے اور دنیا یہ سمجھ لے کہ یہ ہماری قوت کی چیزیں نہیں ہیں۔ کتنی ہی زمانہ ترقی کر جائے۔ لیکن اس کو آلات کے بغیر کوئی قدم اٹھانا ناممکن نہیں، لیکن روحانیت کے لیے آلات کی ضرورت نہیں۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ میرا وصی ہو گا، میری بیٹی فاطمہؑ کی اولاد سے ہو گا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس میں یہ کمال ہو گا۔ تو سمجھ لو میں کیسا ہوں گا۔ ان کو دیکھو اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پہچانو۔

کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ جس میں کوئی مشکل پیدا ہو گئی ہو اور اس کو حل کرنے کے لیے اس حقیقت کا کوئی نہ کوئی جز موجود نہ ہو۔ اس چیز کو ثابت کرنے کے لیے بے شمار واقعات ہیں۔ ایک مشہور قصہ ہے اور تاریخوں میں بھی موجود ہے، متوکل کے زمانے میں قحط پڑ گیا۔ بارشیں ہونا بند ہو گئیں۔ زمین خشک ہو کر بے آب و گیاہ بن گئی۔ فریادیں بلند ہوئیں لوگوں کی علمائے اسلام نے اعلان کیا کہ کل صحرا میں نکل کر نماز استسقٰی پڑھیں گے، شریعت میں ایک نماز استسقٰی ہے۔ طلب باراں کی نماز چنانچہ مرد عورتیں بچے سب باہر نکل آئے۔ عورتیں ایک طرف ہو گئیں، مرد ایک طرف، بچے ایک طرف ہو گئے اور سب نے مل کر نماز پڑھی گڑگڑا کر دعائیں مانگیں اور چلے آئے۔ بارش کا ایک قطرہ نہ گرا۔ دوسرے روز پھر گئے۔ پھر یہی ہوا تیسرے دن پھر گئے، پھر چلے آئے یونہی، ایک قطرہ بارش کا نہ گرا۔ چوتھے دن اعلان کیا ایک عیسائی پادری نے کہ کل سب کے سب عیسائی صحرا میں پہنچ جائیں، ہم دعا کریں گے۔ چنانچہ وہ لوگ پہنچ گئے، سب نے مل کر ایک مرتبہ دعا کی۔ دعا مانگ کر گھر تک نہیں پہنچے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ کچھ بوندا باندی ہوئی، اور لوگوں کے خیالات کو ایک جھٹکا سا لگا۔ زمانہ کچھ بدل چکا تھا۔ وہ زمانہ نہیں تھا، جو ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا اب خیالات میں ذرا فلسفی چیزیں بھی آنے لگی تھیں کیونکہ فلسفہ یونان کا ترجمہ ہو چکا تھا عربی میں۔ عیسائیوں کی دعا سے بارش ہوئی۔ اب لوگوں نے اپنے کو سنبھالنے کے لیے یہ کہنا شروع کیا کہ جی یہ ہماری دعاؤں کا اثر ہے جو آج بارش ہوئی۔ پادری نے جب یہ سنا تو اعلان کیا کہ کل پھر ہم وہاں جائیں گے۔ چنانچہ سب پھر پہنچے۔ ادھر دعا ہوئی ادھر بارش ہونے لگی۔ تیسری بار پھر اس نے اعلان کیا آج پھر جائیں گے پھر نکلا، پھر دعا کی اور پھر بارش ہوئی۔ لوگوں میں یہ باتیں ہونے لگیں کہ کہیں عیسائی مذہب تو حق نہیں۔ جب یہ بات دربار میں پہنچی تو خلیفہ نے

اپنے وزیر کو روانہ کیا امام علی نقیؑ کے پاس اور اس نے دروازے پر آکر کہا' یا بن رسول اللہ **ادرک دین جدک** ۔ فرزند رسول اپنے نانا کے دین کی خبر لیجئے ورنہ تباہ ہو جائے گا۔ آپ نے پوچھا کیا واقعہ ہے' اس نے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا ۔ متوکل سے کہہ دے کہ کل مسلمان اور عیسائی سب نکلیں ۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے اعلان ہوا دوسرے روز سب پہنچے شہر سے باہر۔ آپ نے بادشاہ سے کہہ دیا تھا کہ کسی شخص کو عیسائی پادری کے پاس کھڑا کر دے اور جس وقت وہ دعا کرنے لگے ۔ وہ جلدی سے جھپٹ کر اس چیز کو لے لے جو اس کے ہاتھ میں ہو۔ چنانچہ ایک شخص کو مقرر کر دیا گیا تھا۔ بادشاہ نے پادری سے پہلے کہا کہ وہ دعا کرے ۔ اس نے جب ہاتھ اٹھائے سب عیسائیوں نے بھی ہاتھ اٹھائے۔ ایک طرف سے بادل نظر آیا وہ شخص جو مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ میں ایک چیز تھی وہ چھین لی ۔ وہ جو چھین لی گئی ۔ تو بادل پھر پلٹ گئے ۔ آپ نے فرمایا کہ کہو اس سے کہ دعا کرے' اب جو چیز تھی وہی نہ رہی تو دعا کیا کرتا' شرمندہ سا ہو کر رہ گیا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ پادری سے کہو کہ ادھر آئے۔ وہ آیا آپ نے فرمایا دیکھ میرے ہاتھ میں کوئی چیز تو نہیں سب لوگوں نے کہا کہ کچھ نہیں ۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا شروع کی ۔ ہاتھ ابھی بلند تھے کہ ایک مرتبہ بادل اٹھا اور ایسی گھنگھور گھٹا کہ لوگوں کو یقین ہوا کہ یہ برس کر رہے گی ۔ لوگوں نے کہا کہ چلیے' آپ نے فرمایا یہ بادل تمہارے لئے نہیں ہے ۔ یہ تمہارے سروں سے گزرتا ہوا جائے گا اور فلاں مقام پر جا کر برسے گا' اس کے بعد دوسرا بادل اٹھا اور آپ نے فرمایا کہ فلاں جگہ جا کر برسے گا ۔ چنانچہ وہ بادل گزر گئے ۔ اب ایک بادل اٹھا آپ نے فرمایا ۔ یہ تمہارے لیے آ رہا ہے ۔ اور پھر بارش شروع ہوئی اور ایسی بارش ہوئی کہ ساری کمی پوری ہو گئی ۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیا چیز تھی ۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی نبی قتل ہوا تھا اس کی کسی مقام کی ہڈی رہ

گئی تھی جو اس کے باپ دادا کے پاس آئی اور ان سے اس کے پاس منتقل ہوئی۔ چونکہ وہ نبی کی ہڈی ہے لہٰذا جب زیر آسمان آتی ہے تو قدرت کو شرم آتی ہے کہ وہ موجود ہو اور اس کے ذریعے سے دعا کی جائے اور وہ پوری نہ ہو۔

اب آپ بتلایئے کہ یہ کس طرح ہر شے کی حقیقت سے واقف تھے معلوم ہوا یہ حضرات تمام چیزوں سے واقف ہوتے تھے کیونکہ اجزائے حقیقت محمدیہ تھے

میرے بھائیو اور میرے بزرگوں ایک ہڈی اگر زیر آسمان آگئی تو قدرت میں ہل چل پیدا ہو گئی تو اگر انہی کے اجزا کا کوئی جز کسی طرح صحرائے گرم کے اوپر بے دفن و کفن پڑا ہو گا تو پھر کیا حالت ہوئی ہو گی عالم کی۔

میرے بزرگو یہ قریب قریب اجماع ہے اہل اسلام کا کہ عاشور کے بعد چالیس دن تک کربلا کی زمین پر اور بیت المقدس کی زمین سے کوئی پتھر نہیں اٹھایا جاتا تھا مگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے نیچے خون تازہ جوش مار رہا ہے۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے عالم کی رگیں کٹ گئیں۔

گیارھویں تاریخ تمام دنیا دیکھ رہی تھی کہ صحرا کے جانور آتے تھے کچھ اپنے پروں کو خون سے آلودہ کر کے نکل جاتے تھے۔ دوسرے مقامات پر خبر کرنے کے لیے کہ سلطان کربلا مارا گیا۔ ایک پرندہ مدینے کی طرف چلا اس نے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گنبد پر بیٹھ کر ایک آواز دی تھی۔ جس سے قبر رسول میں زلزلہ آگیا تھا کچھ ایسے جانور تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ پیاسا مارا گیا وہ اپنے پروں کو غوطہ دیتے تھے فرات کے پانی میں اور مظلوم کی لاش پر چھڑک دیتے تھے۔

اگر امام حسین علیہ السلام اپنی زندگی میں امام زین العابدین علیہ السلام کو

اپنا وصی نہ بنا گئے ہوتے تو زمین و آسمان قائم نہ رہتے۔ یہ ضروری ہے کہ حجت خدا ہر وقت رہے۔ خلق سے پہلے بھی حجت خدا ہو بعد میں بھی ہو اس کے ساتھ ساتھ بھی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ولی اٹھتا نہیں جب تک کہ دوسرے کو اپنا قائم مقام نہ بنا لے' آئمہ طاہرین میں یہی رہا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام قید خانے میں ہیں اور زہر دے دیا گیا ہے اور آپ کی حالت بس قریب المرگ پہنچ چکی ہے' تیسرے دن آپ زمین سے اٹھ نہیں سکتے تھے لیٹ کر ہی اشاروں سے نمازیں ہو رہی ہیں' ایک غلام تھا جو مقرر کیا گیا تھا کہ دروازہ اس وقت تک نہ کھولنا جب تک یہ مر نہ جائیں' یہ کھڑا ہوا ہے دروازے پر۔ یہ تیسرے دن کا واقعہ ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان یکایک میرے سامنے آیا وہ اتنا حسین تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے اس نے حکم دیا کہ دروازہ کھول دو۔ میں نے کہا کہ بادشاہ کا حکم نہیں ہے۔ تو اس نے کہا کہ ہٹتا کیوں نہیں میرا باپ دنیا سے جا رہا ہے میں اس کی آخری زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ چنانچہ غلام ایک طرف ہٹا۔ وہ جوان آگے ہوا دروازہ خود بخود کھلا۔ وہ داخل ہوا اور دروازہ پھر بند ہو گیا اس کو دیکھتے ہی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ہاتھ اٹھا دیئے اور سینے سے لگا لیا۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہ رہ جائے۔

امام حسینؑ بھی آئے اپنے فرزند بیمار کے پاس امام زین العابدینؑ پر عالم غشی طاری ہے آپ کو کچھ پتہ نہیں کہ کیا ہو چکا۔ صبح سے اب تک آپ اس وقت آئے ہیں جب علی اصغر کو بھی دفن کر چکے۔ آخری رخصت کے لیے۔ بیبیوں کے خیمے میں آئے ہیں اور آواز دی کہ میرا آخری سلام قبول کر لو۔ چنانچہ زینب نے پاس بلا لیا۔ بھائی سے لپٹ گئیں بھیا کیا میرے سر سے چادر اترنے کا وقت آ گیا۔ کیا میرے بازوؤں کے بندھنے کا وقت آ گیا۔ امام حسینؑ نے آپ کو

تسلیاں دیں۔ آپ نے فرمایا بہن اتنی مضطرب نہ ہو اگر تم اتنی مضطرب ہو جاؤ گی ۔ تو ان بیبیوں کو شام تک کون لے جائے گا' تمہیں سنبھالنا ہے۔ خدا کے بعد یہ بیبیاں تمہارے حوالے ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے بچے تمہارے حوالے ہیں۔ آپ نے وصیتیں کیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ بہن ذرا مجھے میرے بیمار تک تو پنہچا دو۔ جناب زینب امام زین العابدین کے خیمے میں لے گئیں' خدا کسی باپ کو بیٹے کی یہ حالت نہ دکھائے۔ عالم غشی میں پڑے ہیں۔ صبح سے بخار کی جو شدت ہوئی ہے تو آنکھ نہیں کھول سکے امام زین العابدین۔ امام حسینؑ پاس بیٹھ گئے بیٹے کی شکل دیکھی' حالت ملاحظہ کی۔ آواز دی' بیٹا زین العابدین باپ کو آخری مرتبہ دیکھ لو۔ اب میں بھی جا رہا ہوں۔ امام زین العابدین کی آنکھ نہ کھلی۔ شانے پر ہاتھ رکھا۔ شانہ ہلایا آنکھ نہ کھلی' آواز دی' آنکھ نہ کھلی۔ ایک مرتبہ نبض پر ہاتھ رکھا۔ بخار کی شدت معلوم ہوئی۔ انجام یاد آگیا کہ تھوڑی دیر کے بعد کیا ہونے والا ہے' آخر باپ کا دل تھا حسین رونے لگے' گرم گرم آنسو جو چہرہ بیمار پر پڑے آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ ایک شخص سر سے پاؤں تک خون میں ڈوبا ہوا سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ گھبرا گئے امام حسینؑ۔ فوراً کہا بیٹا گھبراؤ نہیں اور کوئی نہیں تمہارا مظلوم باپ ہے۔ امام زین العابدین کو خیال آیا میرے باپ کے اتنے دوست اور رفقاء تھے یہ کس طرح زخمی ہو گئے۔ آپ پوچھتے ہیں بابا حبیب ابن مظاہر کہاں گئے فرمایا بیٹا مارے گئے۔ کہا مسلم ابن عوسجہ کیا ہوئے۔ کہا وہ بھی مارے گئے۔ اس کے بعد پوچھا پھر میرے بہادر اور جری چچا عباس کیا ہوئے۔ فرماتے ہیں دریا کے کنارے بازو کٹائے سو رہے ہیں۔ عرض کرتے ہیں بابا پھر بھائی علی اکبر کہاں ہیں۔ فرماتے ہیں بیٹا کس کس کا پوچھو گے وہ بھی نہیں' صرف میں رہ گیا اور تم رہ گئے ہو میں اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں آخری وصیت کروں اور وصایائے امامت سپرد کر دوں۔ اس کے بعد کچھ فرمایا کہ جس کا تعلق

اسرار امامت سے تھا ۔ اور ایک مرتبہ اٹھے کہ بیٹا میں جا رہا ہوں ۔ اب نہیں آؤں گا ۔ دیکھو ماں بہنوں کا ساتھ ہے بازاروں میں جانا ہے دربار میں جانا ہے ۔ جلال میں نہ آجانا ۔

" صراط مستقیم "

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین ○ الرحمن الرحیم ○ ملک یوم الدین ○ ایاک نعبد و ایاک نستعین ○ اھد نا الصراط المستقیم ○ صراط الذین انعمت علیھم ○ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ○

پروردگار عالم نے سورۂ الحمد میں جو دعا تعلیم فرمائی ہے وہ اس طرح ہے کہ خدایا تو ہمیں ثابت قدم رکھنا ' اس راستے پر کہ جو سیدھا ہے ان لوگوں کا راستہ کہ جن پر تو نے نعمتیں نازل کیں نہ ان لوگوں کا کہ جن پر تو غضبناک ہوا اور نہ ان لوگوں کا راستہ کہ جو گمراہ ہوئے ۔ اس سورۂ مبارکہ کے بہت سے نام ہیں سورۂ شفا بھی کہتے ہیں ۔ سورۂ حمد بھی ہے اور اسی دعا کی وجہ سے اس سورہ کا نام سورۂ دعا بھی ہے ۔ اس کے پروردگار عالم نے دو حصے فرما دیئے ہیں ایک کا تعلق اس کی ذات سے ہے اور دوسرے حصے کا تعلق بندہ سے ہے ۔ " **مالک یوم الدین** " تک خداوند عالم کی صفتیں ہیں ۔

اور اس کے بعد پھر بندے کا خطاب ہے اور وہ اپنی حاجتیں طلب کر رہا ہے دعا جو اس نے تعلیم فرمائی ہے وہ ایسی جامع ہے کہ دنیا میں جتنی دعائیں جائز

اور صحیح ہو سکتی ہیں وہ تمام کی تمام اس کے اندر جمع کر دی ہیں ۔

انسان اس کی بارگاہ میں جاتا ہے اور اس کی تعریف شروع کر دیتا ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ ہمارے نزدیک ہر سورہ کا جز ہے لہٰذا سورۂ حمد کا بھی جز ہے اگر یہ بسم اللہ اس کے ساتھ نہ پڑھی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ حمد ناقص پڑھی گئی ۔ بہرحال اس سے اس وقت کوئی بحث نہیں ۔ بندہ پروردگار عالم کی صفتیں بیان کرنی شروع کرتا ہے کہ وہ رحمٰن بھی ہے رحیم بھی ہے اور تمام عالمین کا پالنے والا بھی وہی ہے دنیا و آخرت میں مہربانی کرنے والا بھی وہی ہے اور قیامت کے دن کا مالک بھی وہی ہے یہاں تک پہنچتے پہنچتے وہ اتنا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اسے یہ محسوس ہونے لگتا ہے یعنی گویا طریقہ بتایا گیا ہے کہ یوں نماز پڑھی جائے اور یہ محسوس ہونے لگے کہ میں خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور وہ میری اس تعریف کو سن رہا ہے اور اس تعریف کے کرنے کے بعد یہ سمجھ کر کہ میں اس کی بارگاہ میں ہوں ۔ اس سے وہ مخاطب ہو جاتا ہے کہ " **ایاک نعبد وایاک نستعین** " ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں ۔ اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں چونکہ تو وہ اس سے باتیں کرنے لگتا ہے اس لیے جب یہ کہتا ہے کہ تجھی سے مدد مانگتے ہیں تو گویا زبان قدرت سے آواز آتی ہے کہ میرے بندے کس چیز میں تو مدد چاہتا ہے ۔ اور کس چیز میں میں تیری مدد کروں یہ کہتا ہے کہ " **اھدنا الصراط المستقیم** " ہمیں سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھنا زبان قدرت کہتی ہے میرے بندے سب راستے سیدھے ہی ہیں ۔ جو ایک نقطے سے کسی علت کو لے کر نکلتا ہے اس خط میں کجی واقع نہیں ہوتی جب تک کہ علت بدل نہ جائے جو جہنم کو جا رہا ہے راستہ وہ بھی سیدھا ہے جو جنت کو جا رہا ہے وہ بھی سیدھا ہے میں کس سیدھے راستے میں تیری مدد کروں تو یہ کہتا ہے کہ " **صراط الذین انعمت علیھم** " مجھے اس راستے پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما جس پر وہ لوگ چل چکے

ہیں جن پر تو نے اپنی نعمتیں نازل کیں ۔ اب اس کی توقع کرتا ہے کہ ان لوگوں کا راستہ مجھے نہیں چاہئے کہ جن پر تو غضبناک ہوا ۔ غضب نازل کرنا نہیں بلکہ غضبناک ہونا کہ جن پر تو غضبناک ہوا ۔ غضبناک ہونے کے لیے لازم نہیں ہے غضب کا نازل کر دینا اور نہ ان لوگوں کا راستہ چاہئے جو گمراہ ہیں ختم ہو گئی دعا ۔

خیال کبھی کبھی یہ ہوتا ہے کہ کبھی ایسے خضوع و خشوع ہو بھی سکتا ہے یا نہیں تو اگر ناممکن ہوتا تو پروردگار عالم قرآن مجید میں اکثر مقامات پر اس کی تاکید نہ فرماتا اور اس کی معمولی مثال آپ کی خدمت میں پیش کروں تو میرے خیال میں بالکل صحیح ہو گی ۔ اگر کوئی شخص تقریر کرتا ہے تو تقریر کرتے وقت دنیا کے ادھر ادھر کے خیالات اس کے دل سے نکل جاتے ہیں وہ ہمہ تن محو ہو جاتا ہے اس مطلب میں کہ جس مطلب کو وہ پیش کرنا چاہتا ہے تو جب ہم میں ہر ایک شخص میں یہ چیز موجود ہے کہ وہ ایک طرف اپنی توجہ کر سکتا ہے کہ اور خیالات قطعاً نکل جائیں تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ خدا کی بارگاہ میں جائے تو اس طرح اس کی بارگاہ میں دعا کرے کہ ادھر ادھر کے خیالات ہی باقی نہ رہیں یہ ایک بڑی واضح سی چیز ہے ۔

خیر بہرحال اس میں ایک چیز یہ ہے کہ تمام دعاؤں کی جامع ہے یہ دعا اس کے متعلق یہ گزارش کرنا ہے ۔ دو ہی چیزیں ہیں ۔ یا دنیاوی ضرورتیں ہیں یا دینی ضرورتیں ہیں صراط مستقیم پر یعنی سیدھے راستے پر انسان اس وقت چل سکتا ہے جب کہ اس کے قوائے مادیہ یعنی قوائے شہویہ و غضبیہ کے منہ میں لگام پڑ جائے اور ان میں کوئی ادھر ادھر حرکت نہ ہو ۔ جب تک یہ خود نہ چاہے ان کو متحرک کرنا ۔ یعنی اس کا نفس پاک و صاف ہو جائے اس کے جتنے بھی صفات بد ہیں وہ نکل جائیں اور ایک ملکہ راسخہ پیدا ہو جائے ۔ ملکہ اس کیفیت کو کہتے ہیں جو نفس انسانی میں راسخ ہو جاتی ہے مثلاً ایک شخص کسی وقت کوئی فصیح جملہ بول دے تو

وہ فصیح نہیں کہا جائے گا۔ جب تک کہ فصاحت کا ملکہ نہ پیدا ہو جائے یہ ایک اتفاقی چیز ہو گی جو اس کی زبان سے نکل گئی ملکہ کے یہ معنی ہیں کہ جب کبھی وہ تقریر کرے جب کبھی بولے اس کی زبان سے فصیح الفاظ ہی نکلیں اور جملوں میں فصاحت موجود ہو۔ بلاغت دوسری چیز ہے۔ فصاحت اور چیز ہے اور بلاغت اور چیز ہے بہرحال ایک آدھ جملہ اگر اتفاق سے ان شرائط کے ساتھ کہ جو تعریف فصاحت میں مذکور ہیں زبان سے نکل جائے تو اس کا بولنے والا فصیح نہیں کہا جائے گا۔ جب تک کہ اس کی کیفیت نفس میں مضبوط نہ ہو جائے۔ تو اس طریقے سے صفات بد نفس سے نکل جائیں اور اچھے صفات اس کی جگہ آجائیں اور اس کے بعد اعضاء و جوارح کے افعال وہ مطابق مرضی پروردگار عالم ہو جائیں اگر کچھ تھوڑی دیر کے لیے ایک اچھا کام کر لیا اس کے بعد پھر کوئی غلطی ہو گئی یا کوئی بد عملی کا ارتکاب ہو گیا تو وہ اس کا نام صراط مستقیم پر چلنا نہیں ہے۔ صراط مستقیم کا مطلب یہ ہے کہ انسان سے عمداً ایسے افعال نہ سرزد ہوں کہ جو خداوند عالم کی مرضی کے مطابق نہیں ہیں۔ تو اب اس میں گویا عقائد کی بھی ضرورت ہے کہ صحیح ہوں اور اعمال کی بھی ضرورت ہے کہ درست ہوں۔ اعمال کا تعلق ہے اعضاء و جوارح سے تو گویا اب اس کے اندر یہ دعا بھی مضمر ہے کہ پروردگارا میرے نفس کو بھی صحیح رکھنا اور میرے اعضاء و جوارح کو بھی درست رکھنا۔ چونکہ انسان محتاج ہے غذا کا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرکت و سکون سے خالی نہیں ہے کوئی آن اور کوئی دقیقہ ایسا نہیں جو حرکت یا سکون سے متصف نہ ہو۔ بالکل ایک واضح سی چیز ہے اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اس کا ہر جز ہر وقت متحرک ہے۔ تو اب اس حرکت کی وجہ سے یہ اجزائے جسم تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور ان میں کمی ہوتی رہتی ہے تو اگر یہ اسی طرح سے رہ جاتا تو ایک وقت آتا کہ یہ فنا ہو جاتا۔ اب ضرورت پڑی اس بات کی کہ کوئی چیز ایسی ہونی

چاہئے کہ جو اجزا تحلیل ہو جاتے ہیں ان کی جگہ دوسرے اجزا آئیں اور بدل ما یتحلل ہو سکیں یعنی جو اجزا کم ہو گئے ہیں وہ پورے ہو سکیں اس لیے ضرورت واقع ہوئی کہ غذا کی احتیاج اس کو ہو جو ان اجزا کو پورا کرتی رہے ۔ لہٰذا اس دعا میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں کہ جو مایحتاج ہیں جن کی ضرورت ہے اعضاء و جوارح کو باقی رکھنے کے لیے پروردگار ان کو بھی پورا کرتا ہے کیونکہ اگر وہ نہ ہوں گے تو اعضاء و جوارح نہ رہیں گے ۔ اور جب یہ نہ ہوں گے تو استحکام نہ ہو گا عقائد میں اور یہ فنا ہو جائے گا لہٰذا سیدھے راستے پر چلنے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے ان تمام چیزوں کے لیے یہ دعا ایک ہے جو جامع ہے ۔

اب حضور اس صراط مستقیم کے معنی آپ کی خدمت میں عرض کر دوں ۔ مگر پہلے یہ عرض کر دینا کچھ مناسب معلوم ہوتا ہے اور آپ حضرات اس کو ذرا غور سے سماعت فرمائیں گے یہ جو لفظ ہدایت ہے اس میں کہ ہمیں ثابت قدم رکھ اس کے دو معنی لئے جاتے ہیں ۔ ایک یہ ہے کہ ہمیں ہدایت کر صراط مستقیم کی اور دوسرے یہ معنی ہیں کہ ہمیں ثابت قدم رکھ ۔ دونوں ترجمے اس کے اپنے مقام پر صحیح ہیں مگر ایک ترجمہ جو ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں ہدایت کر ۔ ظاہری مطلب تو یہی ہوا کہ ابھی تک ہدایت نہیں ہوئی ہے تو عمر بھر یہ کہتے رہنا کہ تو ہمیں ہدایت کر سیدھے راستہ کی تو مطلب یہی ہے بظاہر کہ ابھی ہدایت نہیں ہوئی ہے تو اب مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ثابت قدم رکھ سیدھے راستے پر تو یہ وہ شخص کہہ سکتا ہے کہ جس راستے پر وہ چل رہا ہے اس کے متعلق اسے یقین ہو کہ یہ سیدھا ہے اور اگر اسے یہ شک ہے کہ جس راستے پر میں چل رہا ہوں یہ سیدھا ہے یا نہیں تو اب یہ دعا بھی مشکوک ہو گی اور دعائے مشکوک دعا ہی نہیں ۔ اس لیے پہلے یہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ جس راستے پر میں چل رہا ہوں یہ سیدھا ہے بھی یا نہیں ۔ دوسرا ترجمہ وہ بعد میں

عرض کروں گا۔

آپ ذرا اندازہ فرمائیے کہ یہ راستہ مادی تو ہے نہیں کہ ان آنکھوں سے دیکھا جا سکے بہرحال یہ راستہ ایک معنوی راستہ ہے لفظی تو یہی ہیں کہ سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھ۔ توضیح ضرور اس کی ہوئی ہے لیکن وہ اس مقام پر ایک حیثیت سے مبہم ہے کہ ان لوگوں کا راستہ چاہئے کہ جن پر تو نے نعمتیں نازل کیں۔ اس کے بعد اب اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر اس کی نعمتیں نازل ہوئی ہیں تو قرآن مجید میں ایک آیت ہے جو اس کی تفسیر کرتی ہے (**ومن یطع اللہ و الرسول فا لئک الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین الخ**) جو اللہ و رسول کی اطاعت کریں گے قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر نعمتیں نازل ہوئیں وہ انبیا ہیں صدیق ہیں شھدا ہیں صالحین ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ جن پر نعمتیں نازل ہوئیں۔

اب احتمال یہاں پر بہت سے پیدا ہو جاتے ہیں جن سے صراط مستقیم واضح نہیں رہتا۔ یہ جو لفظ صراط مستقیم ہے یہ ظاہر ہے کہ ایک سے زیادہ راستے نہیں ہو سکتے۔ مستقیم جس کو کہا جا سکے وہ ایک ہی ہو سکتا ہے جو دو نقطوں کے درمیان سب سے چھوٹا خط ہو اس کا نام ہے خط مستقیم اور وہ ظاہر ہے کہ ایک ہی ہو سکتا ہے۔ ہم نے جب آنکھ کھولی تو ہمارے سامنے بہت سے راستے نظر آئے جن پر لوگ چلتے ہوئے دکھلائی دیئے کوئی کسی طرف جا رہا ہے کوئی کسی طرف جا رہا ہے۔ منزل ایک ہے اور چلے جا رہے ہیں۔ جو منزل مقرر ہے پتہ نہیں اس طرف یہ راستے جا رہے ہیں یا اس سے الگ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب ایک نقطے سے دو خط نکلیں گے۔ فرض کیجئے ایک جنوب کی طرف جا رہا ہے۔ ایک شمال کی طرف جا رہا ہے تو یہ واضح سی چیز ہے

کہ ان میں دو علتیں ہیں ہر ایک کی علت الگ ہے جو جنوب کی طرف جا رہا ہے اس طرف جانے کی علت اور ہے اور جو مغرب کی طرف جا رہا ہے اس کے اس طرف جانے کی علت اور ہے۔ جو چیز حرکت کرتی ہے اس کی کوئی نہ کوئی علت ضرور ہوتی ہے۔ اب علتیں الگ الگ ہیں چاہے طبعی علت ہو چاہے ذاتی علت ہو چاہے کسبی علت ہو چاہے اور اقسام علت میں سے کوئی علت ہو۔ بہرحال ایک علت ضرور ہوتی ہے تو جب ایک نقطے سے دو خط نکلیں گے اور مستقیم نکلیں گے تو یہ دونوں جتنے آگے بڑھتے چلے جائیں گے ان دونوں کے درمیان فاصلہ بڑھتا چلا جائے گا۔ جب یہاں سے چلے تھے تو وہ ایک بال کے برابر تھا فاصلہ کیونکہ الگ جا رہے ہیں نا۔ تو جتنے بڑھتے جائیں گے دونوں کے درمیان فاصلہ بڑھتا جائے گا تو منزل اگر ایک خط کے آخر پر ہے تو دوسرا خط منزل سے بہت دور ہوتا چلا جائے گا اور یہ اس وقت تک منزل پر نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ علت نہ بدل جائے۔ اگر منزل ایک ہے تو ظاہر ہے کہ ایک ہی خط وہاں تک پہنچ سکتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی خط نہ ہو ورنہ اتمام حجت پروردگار عالم باقی نہ رہے گا۔

یہ ناممکن ہے کہ خود اپنی طرف سے کوئی راستہ بنائے انسان اپنی فہم و ادراک سے کیونکہ کسی کی فہم اور کسی کی سمجھ مستقل حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ جتنے علوم ہیں وہ یقینی نہیں ہیں ان میں شکوک کے بہت سے مواد موجود ہیں جن کو بعض لوگ یقینی سمجھ لیتے ہیں۔

علماء قرآن مجید کی جب اس آیت مبارکہ کو دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کچھ آیتیں محکم ہیں اور کچھ متشابہ ہیں تو ان کے لیے ایک اضطراب اور گھبراہٹ کا سبب یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بھئی کونسی آیتیں محکم اور کونسی متشابہ۔ قرآن مجید نے یہ تو فرما دیا کہ کچھ محکم ہیں آیتیں اور کچھ متشابہ لیکن یہ کسی جگہ نہیں بتلایا گیا کہ یہ آیت اس قسم کی ہے یہ تو چھوڑیے یہ ہی کہہ دیا جاتا ہے کہ اس قسم

کی آیتیں محکم سمجھنا اور اس قسم کی آیتیں متشابہ سمجھنا ۔ اب لفظ محکم اور متشابہ میں تاویل کرنا ۔ یہ تاویل حد یقین تک نہیں پہنچا سکتی ۔ یہ عقلی مسئلہ ہے ہم اگر ایک آیت کا ایک مطلب قرار دیں اور دوسرا شخص ایک دوسرا مطلب اس کا قرار دے تو متشابہ ہو گئی نا آیت مبارکہ ہر ایک اپنے مقام پر ایک دلیل پیش کر دیتا ہے ۔ محکم وہ آیت مبارکہ ہونی چاہئے لغوی معنی کے اعتبار سے بھی کہ جس میں دوسرے احتمال کی گنجائش نہ ہو ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایک آیت مبارکہ کے یا ایک جملے کے متعدد معنی نہ ہوں ۔ یہ میرا مسلک نہیں ہے ۔ میرا مسلک یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ایک جملے کے چند معانی ہوں مگر شرط ان میں یہ ہے کہ آپس میں متناقض نہ ہوں ایک دوسری کی ضد نہ ہوں اگر ایک دوسرے کی ضد ہوں گے تو بہرحال ایک غلط ہو گا ۔ اگر ایک دوسری کی نقیض ہوں گے تو بہرحال ایک غلط ہو گا ۔ نقیضین میں یہ ہے کہ ایک غلط اور ایک صحیح یقیناً ہے ضدین میں یہ نہیں ہے کیونکہ ضدین ان چیزوں کو کہتے ہیں جو دونوں وجودی ہوں مثلاً سرخی اور سیاہی یہ دونوں آپس میں ضدیں ہیں یہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں لیکن ہو سکتا ہے کہ دونوں نہ ہوں مثلاً ایک چیز نہ سفید ہو نہ سرخ ہو بلکہ سیاہ ہو تو دونوں چیزیں اٹھ گئیں ایک تیسری چیز آ گئی ۔ مگر نقیضین میں یہ بات نہیں ہو سکتی اس میں بہرحال ایک صحیح ہو گی اور ایک غلط ہو گی مثلاً آپ یہ کہیں کہ یہ یا سبز ہے یا نہیں ۔ پہلے آپ ہی نے کہا تھا کہ سبز ہے یا سرخ ہے تو یہ تھیں ضدیں اور جب آپ نے یہ کہا کہ یہ سرخ ہے یا نہیں یہ ہے نقیضین ۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کے چند معانی ہوں اور آپس میں ضدیت نہ ہو جمع ہو سکتے ہوں ۔ اب اگر دو معانی پیدا ہوئے تو دو چیزوں کا احتمال کسی مقام پر پیدا ہو گیا تو یہ چیز کم سے کم ایک متشابہ ہو جائے گی اور جب متشابہ ہوئی تو نہ اس پر اعتبار نہ اس پر اعتبار ۔ اعتبار اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب کہنے والا اتنا قابل وثوق ہو کہ اس

کے متعلق یہ یقین ہو جائے کہ اس کی زبان سے کبھی کوئی چیز غلط نکل ہی نہیں سکتی اور اگر اس کے متعلق وہی فقرہ جو مشہور ہے (**الانسان مرکب من الخطاء والنسیان**) اگر یہ چیز ہے تو پھر کوئی صورت نہیں ہے کہ کسی مقام پر یقین کیا جائے ایسے موقع پر حالت شک میں جو عبادت ہو گی وہ مشکوک عبادت ہو گی اور قابل قبول نہیں ہو گی۔

کچھ چیزیں وہ ہیں جو **مستقلات عقلیہ** سے تعلق رکھتی ہیں۔ پروردگار عالم نے انسان کو عقل دے کر یہ سمجھا دیا ہے کہ وہ سوچنے اور غور کرنے کی قابلیت رکھتا ہے اس عقل دینے کے بعد کچھ چیزیں اس کی فطرت میں ودیعت کر دیں۔ انسان کلیات اپنے ساتھ لاتا ہے۔ جس قدر نفس میں صفائی ہوتی جاتی ہے وہ کلیات واضح ہوتی چلی جاتی ہیں اور بلند ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جزئیات یہاں آن کر اس کو معلوم ہوتی ہیں ان میں شکوک کے پیدا ہونے کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے جزئیات میں کیوں؟ اس لیے کہ جزئی بنتا ہے اس وقت جب کلی سے آگے کوئی قید بڑھا دی جائے مثلاً جتنے آپ حضرات تشریف فرما ہیں یہ انسان کے جزئیات ہیں۔ اب آپ لفظ انسان تک تو بڑھ جائیں گے لیکن ہر فرد صرف انسان نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ کوئی تشخص بھی لگا ہوا ہے جس کی وجہ سے ہم پہچانتے ہیں کہ یہ زید ہے یہ عمرو ہے اور یہ فلاں ہے اور یہ فلاں ہے تو یہ جو **تشخصات** ہیں ان کی حقیقتیں الگ الگ ہیں لیکن جزئی بنے گا نہیں اس وقت تک جب تک کہ یہ **تشخصات** نہ ہوں جتنے **تشخصات** ہیں وہ ہیں لامحدود تو اب ایک کا قیاس دوسرے پر کر لینا یہ بڑی بھاری غلطی ہے انسان کی۔ ہم نے لندن کے رہنے والے ایک شخص کو دیکھ لیا۔ دو چار دن کے بعد کسی شخص نے کہا فلاں مقام پر فلاں ہوٹل میں ایک اور شخص آیا ہے لندن کا رہنے والا تو ہم یہ سمجھ لیں کہ بالکل ویسی ہی ناک ہے ویسا ہی قدو قامت ہے ویسا ہی اس کا جسم ہے تو یہ

بھاری غلطی ہو گی نا۔ تو ان جزئیات میں آکر انسان کے لیے بڑی مشکل پیدا ہو جاتی ہے جس سے آپ اندازہ کر سکیں لہٰذا ان جزئیات میں جو **اشتباہات** پیدا ہوتے ہیں کلیات کے، مسائل شریعہ میں ان کو حل کرنے کے لیے اور انکے **اشتباہات** کو دور کرنے کے لیے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہے کہ جس کے متعلق یقین کامل ہو جائے کہ جو کچھ کہے گا غلطی کا احتمال ہی اس میں نہیں ہو گا اور وہ سوائے معصوم کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

امام جعفر صادقؑ کے زمانے میں ایک شخص تھا اس نے یہ چاہا کہ قرآن مجید کا جو یہ دعویٰ ہے کہ اس کا مثل لے آؤ اور دعویٰ یہ ہے کہ کوئی مثل نہیں لاسکتا ہے اس کا۔ اس نے کہا کہ میں مثل لاؤں گا اور اس نے الگ ایک چیز جمع کرنی شروع کی۔ ایک یہ کیا اور اس کے بعد دوسری بات یہ کی کہ قرآن مجید کے معانی اپنی خواہشات کے مطابق جو اہل اسلام کے مخالف تھے لکھنے شروع کر دیئے۔ وہ لوگوں کو دکھلاتا تھا اور لوگ اس کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ امام جعفر صادقؑ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ وہ اس طرح سے قرآن مجید کی آیتوں کے معانی بھی لکھ رہا ہے اور دوسرا قرآن بھی یہ جمع کر رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ دوسرا قرآن جمع کر رہا ہے اس کو تو چھوڑو کیونکہ وہ اس کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ ہاں جو معانی بیان کر رہا ہے تو تم جا کر یہ اس سے اتنی سی بات کہہ دینا کہ تو جو معانی بیان کر رہا ہے ممکن ہے کہ اس آیت مبارکہ کے کچھ اور معانی بھی ہوں تو اس معنی سے اس معنی کی نفی کیوں کر ہو سکتی ہے اور جو دلیل تم قائم کرو گے ممکن ہے کہ مخالف بھی دوسری دلیل لے آئے تو ان دونوں دلیلوں کے تناقض سے زیادہ سے زیادہ دونوں ہی دلیلیں ساقط ہو جائیں گی (**اذا تعاضا تسا قطا**) جب دونوں متعارض ہو جائیں گی دلیلیں تو ساقط ہو جائیں گی جب ضدین آپس میں جمع ہو جاتی ہیں برابر کی تو حکم نفی میں ہوتی ہیں۔ جب دلائل آپس میں

متعارض ہو جائیں تو اس وقت اور کچھ نہ سہی تو دوسری طرف دلیل کا احتمال بھی کافی ہے اس کو مشکوک کر دینے کے لیے۔

ہم نے جب یہ فلسفہ طبعی تھوڑا بہت پڑھا تو جو کتابیں اس میں ہیں ملا صدر الدین شیرازی کی یا دوسرے بزرگوں کی شیخ بو علی سینا وغیرہ کی۔ وہ پڑھیں تو حضور والا ایک قول آیا کہ جسم مرکب ھیولا و صورت ہے اور انہوں نے دلیلیں پیش کیں ہم نے کہا بالکل ٹھیک ہے اس کے بعد دوسرا قول آیا افلاطون کا کہ جسم ایک ہی چیز سے مرکب ہے صورت جو ہے وہ عارض ہے اب جو اس کی دلیلیں آئیں تو ہم نے کہا یہ بھی ٹھیک ہے اس کے بعد ارسطو نے ایک اور قول اختیار کیا کہ کس چیز سے مرکب ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ تیسری چیز بھی ہے صورت نوعیہ۔ اس کی جو دلیلیں آئیں ہم نے کہا بالکل ٹھیک ہے تو حضور ہمارے حالات ہیں ایسے۔ ہم ظاہر دلائل کو دیکھ کر جس کی دلیل سامنے آتی ہے کہہ دیتے ہیں کہ جی یہ ٹھیک ہے۔ ایسے حالات میں ہم کامل وثوق سے نہ افلاطون کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ وہ معصوم ہے نہ ارسطو کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ وہ معصوم ہے نہ دوسرے جو ذی متفاطیس وغیرہ ہیں ان کے متعلق کہ وہ معصوم ہیں ہمیں تو ہر ایک مشکوک نظر آتا ہے اب یہ چیز اگر شریعت میں آجائے۔ یعنی جب تک طبیعات کلیات یا اور علوم میں بحثیں تھیں ہم نے کہا چلو کوئی بھی قابل یقین نہیں ہمارا بگڑا کیا؟ لیکن جب شریعت میں یہ چیزیں آجائیں اور عقائد سے ان کا تعلق ہو جائے اور ایسے ہی متعارض ادلہ آجائیں تو اب آپ بتائیے کہ جب عقیدہ ہی مشکوک ہو جائے تو اس مشکوک عقیدے پر جو عبادت ہو گی وہ کیسے یقینی ہو گی اور جب یقینی نہ ہو گی عبادت تو اس کا اجر کیا ملے گا۔

اس لیے اب ہمارے سامنے مشکلات بہت ہیں اور اگر یہ مشکلات اس طرح سے حل نہ ہو جائیں جیسے ایک اور ایک دو ہوتا ہے تو آپ سمجھئے کہ ہم میں

نہ عقائد کے اعتبار سے کچھ صلاحیت پیدا ہوئی۔ نہ اعمال کے اعتبار سے پیدا ہوئی

ایک چیز آپ یاد رکھئے آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں لیکن ہم لوگ کبھی کبھی انہی چیزوں کو جو آپ کے ذہنوں میں ہوتی ہیں ان کی طرف متوجہ کر دیا کرتے ہیں۔ دیکھئے انسان جو عقیدہ قائم کرلیتا ہے، غلط ہے یا صحیح۔ اب جو اعمال ہوں گے اس عقیدے پر ان میں مضبوطی پیدا ہوتی جائے گی۔ یہ اعمال الگ سے کوئی چیز پیدا نہیں کرسکتے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ عقیدہ یہ ہے ایک شخص کا کہ خدا کے ہاتھ ہیں، سر ہے، ناک ہے، پاؤں ہیں اور ایک حسین لڑکے کی شکل میں۔ یہ عقیدہ ہے مستقل۔ اب اس کے بعد نمازیں پڑھ رہے ہیں آپ اس کی عبادت سمجھ کر تو یہ نمازیں اس عقیدے میں استحکام پیدا کرتی جائیں گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ اعمال ہٹا کر اس کو اس عقیدے سے کسی دوسری طرف لے جائیں۔ روح کا کام ہے عقیدہ کا پیدا کرنا اور اعمال کا کام ہے ان میں استحکام پیدا کرنا۔

جاننا اور چیز ہے اور اس صفت کا نفس میں پیدا ہو جانا اور چیز ہے اس چیز کا ہمیں ہر وقت خیال رہنا چاہئے۔ سخاوت کے معنی جاننے سے آدمی سخی نہیں بنجاتا۔ شجاعت کے معنی جاننے سے بہادر نہیں بن جاتا۔ عبادت کا تصور کر لینے سے عابد نہیں ہو جائے گا۔ پانی کے الفاظ زبان پر جاری کر لینے سے پیاس نہیں بجھے گی۔ یہ جاننا اور چیز ہے کہ پانی پیاس کو بجھا دیتا ہے یہ دوا بڑی مفید ہے بخار کو دور کر دیتی ہے اگر آپ استعمال نہیں کریں گے تو بخار نہیں جائے گا تو عمل اور چیز ہے اور کسی چیز کا جاننا اور چیز ہے بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ خدا رحیم ہے ہمیں وہ عذاب دے کر کیا فائدہ اٹھائے گا۔ وہ تو ہے ہی رحیم و کریم یہ اسی طرح سے ہے جیسے کوئی بیمار یہ کہہ دے کہ ڈاکٹر میرے ساتھ بڑی محبت کرتا ہے بڑی شفقت کرتا ہے وہ بڑا ہی مہربان ہے تو یہ جاننے سے بیماری چلی جائے گی

نہیں جائے گی جب تک کہ ان چیزوں کو بھی استعمال نہ کرے جو وہ بتلا رہا ہے تو یہ چیزیں جو اس نے بتلائی ہیں یہ عقائد وغیرہ کے مضبوط کرنے کے لیے ہیں تو اب جس عقیدت کے ساتھ عمل کر رہا ہی جیسا کہ میں نے آپ کے سامنے مثال دی ۔ تو اب اس عقیدے میں پختگی ہوتی جائے گی

یہاں پر ایک بحث میرے سامنے آئی ہے ۔ مگر اصل مطلب سے میں بالکل الگ ہو جاؤں گا اس لیے میں اسے چھوڑ رہا ہوں ۔ وہ مستقل ایک الگ چیز ہے بلکہ بعض اوقات یہ بھی ہو گا کہ اگر عقیدہ قائم ہو چکا ہے نا ۔ عمل کو تو چھوڑیئے علم بھی اس عقیدہ کو مضبوط کرتا چلا جائے گا ۔ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے. علم یا گمراہی بڑھاتا ہے یا نور ہدایت پیدا کرتا ہے بہترین مقوی غذا یا ایسا حلوہ یا کوئی معجون جس میں جواہرات پڑے ہوں بڑی قیمتی چیزیں اس میں ڈالی گئی ہوں ۔ ٹائفائڈ کے مریض کو ذرا آپ وہ کھلائیں تو اب یہ اس کے لیے موت کا سبب بن جائے گا اگرچہ اتنی بہترین چیز تھی وہ کہ اطباء نے ورق کے ورق اس کی تعریف میں سیاہ کئے تھے لیکن چونکہ قابلیت خراب ہو چکی تھی لہٰذا بجائے اس کے کہ اس سے صحت ہو اس کا مرض بڑھ گیا ۔ اب اگر عمدہ عقیدے کے ساتھ علم حاصل کیا جا رہا ہے تو اس میں اور پختگی پیدا ہو رہی ہے ایسا کب ہوتا ہے جب انسان میں محبت ریاست پیدا ہو جائے ۔ مثلاً ایک بات میں نے آپ کے سامنے کہہ دی دوسرے شخص نے کہا آپ نے یہ بات غلط کہی ہے اب مجھے اپنی اس عزت ظاہری کو بچانے کے لیے یہ کہنا پڑتا ہے کہ نہیں جو کچھ میں نے کہا وہ ٹھیک ہے اور جتنی ضد کرتا گیا اتنا ہی میں خراب ہوتا گیا ۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ جی عیسائیوں میں بھی تو اتنے بڑے بڑے عالم ہیں تو کیا وہ نہیں سمجھتے ہیں کہ اسلام سچا مذہب ہے ۔ میں عرض کرتا ہوں کہ بے شک وہ عالم ہیں مگر وہ علم اس وقت حاصل کیا جب روح میں مرض پیدا ہو چکا تھا ۔

درمیان میں ایک بات ذرا سنئے اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ اس نے دودھ پیا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے کچھ علم حاصل ہو گا کیوں؟ اس لیے کہ دودھ جو ہے وہ غذائے معتدل ہے انسان کے لیے۔ روح کے لیے جو غذائے معتدل ہے وہ ہے علم یہ معتدل غذا جس میں ایسا اعتدال ہوتا ہے یاد رکھئے اس میں بڑی خاصیت ہوتی ہے ادھر ادھر مائل ہو جانے کی مثلاً صفرا کا غلبہ ہو تو وہ اس غذا معتدل کو اسی طرف مائل کر دے گا۔ اسی طریقے سے علم جو ہے وہ غذائے معتدل ہے روح کے لیے اس میں بڑی قابلیت ہے ادھر ادھر جھک جانے کی اور جتنا بڑھتا جاتا ہے۔ تو وہ غلط عقیدہ اور مضبوط ہوتا جاتا ہے اس کے لیے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ انسان ہر وقت اس بات کی طرف توجہ رکھے کہ کہیں اس اعتدال مزاج روح میں فرق تو محسوس نہیں ہو رہا۔ سب سے بہتر اس کی صورت یہ ہے کہ دوسروں کی باتیں سنے تو اس طرح نہ سنے کہ میرا یہ عقیدہ ہے بلکہ اس طرح سے سنے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے (**انظرانی ماقال و لاتنظر الی من قال**) دیکھو اس چیز کو جو کہی گئی ہو۔ اس شخص کو مت دیکھو جس نے کہا ہے کیونکہ اس شخص کو دیکھو گے تو پھر وہ عصبیت جو ہے وہ حرکت میں آجائے گی اور جب چیز کو دیکھو گے تو مقابل میں کوئی ہو گا نہیں۔ صحیح نظر سے دیکھی جا سکے گی۔

اب رہ گیا ہدایت کا مطلب تو اصل ہادی ہے پروردگار عالم۔ "**واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم**" قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ان جملوں کے ساتھ حصر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کرنے والا ہے اور اس میں شبے کی کوئی چیز ہی نہیں۔ انبیاء و مرسلین اصل میں اسی نے بھیجے ہیں۔ اس کی ہدایت کے ہیں چار طریقے۔ پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ اس نے وہ قوتیں عطا کیں کہ جن کے ذریعے سے آپ ہدایت پا سکتے ہیں۔ "**اعطا کل شئی خلقہ**" ہر شے کو اس نے خلقت

کا لباس پہنایا یعنی بنایا اور پھر ہدایت کی ہر ایک چیز کو۔ اس میں صرف انسان داخل نہیں اس میں جمادات، حیوانات، نباتات بھی داخل ہیں یہ ہے افاضہ قوئی۔ یہ اوپر سے آپ نے ڈھیلا چھوڑ دیا اب نیچے کی طرف وہ آرہا ہے۔ آپ نے کہا کہ زمین کھینچ رہی ہے کوئی وجہ پیدا کی آپ نے ٹھیک بھی ہے مگر یہ چیز کشش وغیرہ سب اس نے پیدا کیں۔ اس کی وجہ سے اس کا نیچے کی طرف آنا۔ یہ وہ چیز ہے جو فطری ہدایت ہے۔ ایک بیل ہے کدو کی آپ چڑھا دیجئے اس کو دیوار پر وہ چڑھتی چلی جائے گی جب کوئی رکاوٹ آئے گی تو چاہیے کہ اس سے ٹکرا کر چڑھے مگر قبل اس کے کہ اس سے ٹکرائے تھوڑی دور جب رہ جائے گی تو اس کا رخ بدل جائے گا اب یہ کیا چیز ہے پروردگار عالم نے گویا یہ چیز اس کی فطرت میں داخل کر دی ہے۔ دوسرے الفاظ میں تو ہم یہ کہیں گے کہ اس نے ادراک و شعور پیدا کیا ہے مگر لوگ اگر نہ مانیں تو کم از کم اس کی فطرت میں یہ چیز داخل کر دی ہے چاہے یہاں چڑھا کر دیکھ لیجئے چاہے صحرا میں چڑھا کر دیکھ لیجئے جب کوئی چیز آئے گی جو اس کو روکنے والی ہو گی وہ اپنا رخ بدل لے گی۔ جانوروں کو دیکھئے مرغی کے دو انڈے لے آیئے آپ اپنے گھر میں بچے نکال لیجئے یہ تو ہو سکتا ہے نا مصنوعی گرمی پہنچا کر اور نکلتے بھی ہیں۔ روزانہ انہوں نے نہ اپنی ماں کو دیکھا ہے نہ اپنے باپ کو دیکھا ہے اور نہ اپنے اور بنی نوع کو دیکھا ہے لیکن آپ دیکھیں گے کہ وہ کس طرح سے دانوں کو چننے لگتے ہیں یہ کس نے بتلایا ہے کہ تمہیں اس طرح سے چننا ہے۔ ایک مرغی انڈے دے رہی ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے۔ ان پر بیٹھ جائے گی کس نے بتلایا ہے کہ گرمی پہچانا ہے انہیں۔ اگر ان کو گرمی نہ پہنچے گی تو یہ بچے نہ نکلیں گے۔ یہ پروردگار عالم نے جو کچھ ہر ایک کو ہدایت کی ہے وہ اپنے ساتھ لایا ہے۔ آیئے اب انسان کی طرف پروردگار عالم نے اس کو عقل مرحمت فرمائی ایک طریقہ ہوا دوسرا طریقہ جو ہوا پروردگار عالم نے

ہر چیز میں دلائل قائم کر دیئے کہ ان دلائل کو دیکھو اور ہدایت حاصل کرو ہر ایک پھول میں ہر ایک پتی میں آپ ذرا ان کو ہاتھ میں اٹھا کر دیکھئے کہ ان میں کتنے ریشے ہیں اور ریشوں کے ساتھ جو اور حصے ملے ہوئے ہیں ان کو ذرا خورد بین سے دیکھئے کتنے کتنے باریک ریشے ہیں اور ان کے ساتھ اس پتے کے اجزا ملے ہوئے ہیں آپ یہ خیال کریں کہ جڑ سے آرہی ہے غذا اور اس پتے تک پہنچتی ہے اور اس پتے سے آگے بڑھ رہی ہے اور بیچ میں وہ ریڑھ کی ہڈی ہے جو پتے کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے وہاں تک پہنچ کر وہ تقسیم ہوتی ہے جتنا آگے بڑھتی جاتی ہے وہ غذا لطیف ہوتی جاتی ہے یہ آخر کون کر رہا ہے اس کے بعد جب آپ دیکھیں گے کہ ان پتوں کے اوپر کچھ پھول سے کبھی بن جاتے ہیں۔ پھولوں کے اوپر نئے نئے پھول آتے ہیں۔ اس کے بعد آپ یہ دیکھیں کہ یہ غذا جس طریقے سے پہنچائی جا رہی ہے خدا کی قسم انسان حیران ہو جاتا ہے "**فتبارک اللہ احسن الخالقین**" اگر وہ ایک دائرہ بنا ہے نا کسی رنگ کا تو وہ ادھر اور ادھر بنتا ہے نا۔ تو حضور والا وہ جو ریڑھ کی ہڈی ہے وہاں سے غذا جا رہی ہے اور وہ رنگ بدلتی ہے تو ایک مقام پر جو ملا ہوا ہے وہاں ایک رنگ ہے وہ رنگ بدلا تو اس کے بعد جب آگے بڑھے گی تو اس طرح سے رنگ الگ الگ ہوتے چلے جائیں گے کہ دائرہ یا مثلث یا جو شکل بنی ہے وہ بن جائے تو کسی مقام پر وہ رنگین غذا کم دیتی ہے کسی مقام پر زیادہ دیتی ہے۔ پھر وہ رنگ ایسا بارشیں ہوتی رہیں اس رنگ میں کمی نہ آئے گی تمام چیزیں ہیں جن میں اس نے اپنی قدرت کی نشانیاں پیدا کر دیں یعنی یہ دلائل ہیں وہ کہ جن کے ذریعے سے ہدایت ہو رہی ہے۔

اس کے بعد تیسری قسم ہے ارسال رسل یعنی رسولوں کا بھیجنا جب عقل انسانی حیران ہو جاتی ہے اور گھبرا جاتی ہے اور ان دلائل میں جب غور کرتی ہے تو

کبھی کبھی یہ قوت واہمہ عقل کے راستے میں حائل ہو کر اس کو غلط راستے پر لگا دیتی ہے تو انبیاء آتے ہیں کہ اس کجی کو وہ سیدھا کر دیں چوتھی قسم وہ ہے جو مخصوص ہے صرف معصومین کے لیے کشف سرائر۔

اب یہ دلائل جن کا میں ذکر کر رہا تھا اپنے مقام پر دلائل تھے عقل نے ذرا کچھ غلطی کی اس لیے کہ اس کو اطلاع دینے والے حواس جو ہیں اگرچہ حق نما ہیں۔ باطل نما نہیں ہیں آنکھیں اگر بیمار نہیں ہیں تو سبز کو سبز بتلائیں گی سرخ کو سرخ بتلائیں گی کبھی نہیں ہو سکتا کہ سفید کو سرخ دیکھیں اور سرخ کو سفید دیکھیں اسی طریقے سے خوشبو اگر خوشبو ہے تو ناک کہے گی کہ خوشبو ہے اور اگر بدبو ہے تو ناک کہے گی کہ بدبو ہے بشرطیکہ اس میں بیماری نہ پیدا ہو جائے ہاں اگر یرقان کی بیماری ہو جائے تو آنکھ دنیا کو زرد دیکھے گی اور اگر کوئی ناک کے اندر دانہ نکلنے کے بعد سڑ جائے گوشت تو ہر چیز میں بدبو سی محسوس ہوگی۔ یہ الگ بات ہے لیکن جب تک صحیح ہیں وہ حق نما ہیں باطل نما نہیں تو جب یہ جاسوس باطل نما نہیں تو جس کے جاسوس ہیں وہ باطل نما کیسے ہوں گے اور اس کا نام ہے عقل۔ چونکہ قوت واہمہ کا غلبہ ہوتا ہے مادیت اور خواہشات نفس چھا جاتے ہیں اس لیے وہ عقل کو کبھی کبھی لے جاتے ہیں دوسری طرف اور عقل جاتی نہیں مگر مغلوب ہو کر۔ اس قوت واہمہ کے غلبے کو توڑنے کے لیے انبیاء و مرسلین آتے ہیں۔

جہاں عقل راستے سے ہٹ جائے قوت واہمہ کی وجہ سے خود عقل جو حق و باطل کا ایک آئینہ ہے ہٹ جاتی ہے یا نہیں؟ یہ فرقے کیوں بنے اس لیے کہ ہٹ گئی عقل جب عقل ایک طرف جائے یا خاموش ہو کر بیٹھ جائے تو اب بتلاؤ کہ اس کی ہدایت کون کرے۔ آنکھوں نے دیکھی ایک چیز مگر کبھی اس نے واقعے کے خلاف بھی دیکھا یا آنکھوں میں بیماری کی وجہ سے دیکھنے میں فرق آگیا مثلاً

لکڑی کو آپ نے پانی میں ڈال دیا تو معلوم ہو گا کہ چھوٹی ہے اور کبھی یہ معلوم ہو گا کہ ٹیڑھی ہے وہ ایسی نہیں ہے اب آنکھ کی غلطی کو تو نکالے گی عقل مگر عقل کی غلطی کو کون نکالے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہونا چاہئے جو سر سے پیر تک عقل ہی عقل ہو۔ احتمالات جس کے کلام میں ہوں وہ نہیں نکال سکتا۔ اس کے متعلق یہ پہلے سے یقین ہو جانا چاہئے کہ اس کی زبان سے جو لفظ نکلے گا وہ عین حق ہو گا اور اسی لیے ضرورت ہے کہ جو نبی آئے وہ معصوم ہو جو ھادی خدا نے بنا کر بھیجا اس کی عصمت کی دلیل اس کے معجزات یا پہلے نبی کے فرمان۔ للذا یہ چیزیں وہ ہیں کہ اب جو کچھ کہ دے گا اس پر یقین ہو جانا چاہئے۔

مصیبت یہ ہے کہ ہر شخص کہتا ہے کہ صراط مستقیم پر میں ہوں آخر کوئی تو فیصلہ ہونا چاہئے۔ صراط مستقیم پر اگر اسی طرح سے سب کے سب ہیں تو وہ عقلی قاعدہ کہ صراط مستقیم پر ایک کے سوا سب نہیں ہو سکتے وہ باطل ہو گیا۔ "**وان ھذا صراط مستقیم فاتبعوانی**" میرا راستہ تو سیدھا یہی ہے اور تم دوسرا راستہ اختیار نہ کرنا ورنہ متفرق ہو جاؤ گے۔ تو جو دوسرے راستے ہیں وہ بہرحال غلط ہیں ایک ہی راستہ مستقیم ہو سکتا ہے مستقیم کا لفظ خود ہی یہ کہہ رہا ہے کہ دو مستقیم نہیں ہو سکتے ایک ہی ہو گا تو عقلی طریقے پر بھی یہ ایک ہی ہو سکتا ہے جب بدلے گا وہاں سے راستے تو دو ہو جائیں گے۔ مگر اس وقت بدلے گا جب علت بدل جائے جس علت نے اس کو ایک راستہ دکھلایا ہے پہلے اس پر غور کرنا چاہئے کہ یہ علت ٹھیک بھی ہے یا نہیں کہیں ایسا نہ ہو کر اس کو یونہی مان لیں اور اس کے بعد یہ کہہ دیں کہ چلو یہ راستہ ہے چلیں۔ تو یہ پہلی بنیادی غلطی جو ہے نا۔ یہ اسی طرح ہو گی جس طرح کہ دیوار میں اگر کجی رہ گئی تو پھر آخر تک کجی چلی جائے گی للذا اس بنیاد کو مستحکم اور سیدھا ہونا چاہئے۔

وہ راستہ جس کی ہم دعائیں مانگتے ہیں وہ وہ ہے جس پر انبیاء و مرسلین چل

چکے ہیں قرآن مجید کی صاف توضیح ہے اعمال ہیں عقائد کو مضبوط کرنے کے لیے اور اصل شے ہے عقیدہ یعنی اصول جو ہیں وہ کبھی نہیں بدلے جاتے۔ طبیعت انسانی کے بدلتے ہوئے تغیرات کی وجہ سے اعمال میں تغیر ہو جاتے ہیں جس کو نسخ شریعت کہتے ہیں کہ یہ شریعت منسوخ ہوئی وہ کیوں ہوئی اس لیے کہ کسی زمانے میں ایسا نہیں ہوا کہ کوئی مزاج خاص رہا ہو۔ دوسرا زمانہ جب آگے بڑھا تو مزاج میں تغیر آنا لازمی۔ ایک شخص ملتان کا رہنے والا پہاڑ پر جا کر رہنے لگے۔ دو چار سال میں مزاج میں تغیر پیدا ہو ہی جائے گا اسی طریقے سے کشمیر کا رہنے والا اگر صوبہ سرحد کے یا بس اور خشک وطن میں چلا جائے تو کچھ دنوں کے بعد تغیر ہو جانا لازمی ہے اور اگر اس میں نہ ہوگا تو اس کی اولاد میں ہو جائے گا۔ بہرحال مقامات کے اعتبار سے تغیرات الگ ہوتے ہیں اور وقت کے لحاظ سے الگ زمانہ اپنے مقام پر ہر روز متغیر ہو رہا ہے۔ حکما نے مزاج انسان کا اجمالی حیثیت سے کچھ تجزیہ کیا ہے آپ کا مزاج وہ نہیں ہے صبح کے وقت جو دوپہر کے وقت ہوتا ہے جو دوپہر کے وقت ہوتا ہے وہ وہ نہیں ہے جو رات کے وقت ہوتا ہے۔ دن رات میں مزاج بدلتا رہتا ہے اسی بنا پر حکما نے جو علم موسیقی میں کمال رکھتے تھے گانے کے فن میں انہوں نے بھی الگ الگ گانوں کے نام اور وقت مقرر کر دیئے۔ یہ گانا صبح کے وقت کا ہے یہ راگ ہے فلاں وقت کا جو رات کا راگ ہے وہ صبح کو مزہ نہ دے گا جو صبح کا راگ ہے وہ رات کو مزہ نہ دے گا اسی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مزاج انسانی میں کتنے تغیرات ہوتے رہے ہیں اسی طرح سے ہر زمانہ میں تغیرات ہوئے۔ کثرت ہو گئی آبادی کی۔ مزاجوں میں تغیر ہو گیا۔ سکونت بدل دی مزاج میں تغیر ہو گیا یہ اور بات ہے کہ ابھی ابجد میں ہے دنیا کہ ان مزاجوں کا تجزیہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ علم ابھی تو کوئی بھی کامل نہیں ہوا یہ علم تو فقط ان لوگوں کا کامل ہو سکتا ہے جن کو خدا نے پڑھا کر بھیجا ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ ایسے لوگوں نے جو بچپن میں بات کہی تھی وہ وہی تھی جو بڑھاپے میں نکلی۔ جو بڑھاپے میں کہی وہ وہی تھی جو جوانی میں کہی ان کے مزاجوں میں تغیر نہیں ہوتا کیونکہ تغیر کی وجہ سے احکام خداوند عالم میں ہزاروں تفرقے پیدا ہو سکتے ہیں۔

اب لفظ صراط مستقیم کا ترجمہ تو سبھی کرتے ہیں۔ سیدھا راستہ۔ لیکن سیدھا راستہ میرے بھائیو وہ ہے کیا؟ صراط مستقیم عقائد کے اعتبار سے بھی ہے اور اعمال کے اعتبار سے بھی۔ آپ ایک چیز اور بھی سوچئے۔ **ان ربی علیٰ صراط مستقیم** ۔ میرا خدا صراط مستقیم پر ہے بارھویں پارہ میں موجود ہے۔ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صراط مستقیم پر ہیں **یٰسین والقران الحکیم انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم** ہمیں کہتا ہے تمہیں ہم صراط مستقیم کی ہدایت کرتے ہیں تم دعائیں کرتے رہو اھدنا الصراط مستقیم کہتے رہو ہمیں صراط مستقیم دکھا۔ صراط مستقیم ہے کیا چیز۔ خدا بھی صراط مستقیم پر۔ محمدؐ مصطفیٰ بھی صراط مستقیم پر ہم بھی صراط مستقیم کی دعا کرتے ہیں۔

دو قسمیں ہیں اس راستے کی۔ ایک یہ ہے کہ سلوک الحق الی الخلق اور دوسرا یہ ہے کہ سلوک الخلق الی الحق۔ خدا کا سلوک مخلوق کے ساتھ اور مخلوق کا سلوک خدا کے ساتھ۔ **ان ربی علی صراط مستقیم** جس طرح سے چاہیے خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ سلوک کرنا۔ اس کا اس طرح سے سلوک کرنا اس کے لئے صراط مستقیم ہے۔ اس کے لئے چاہیے تھا آسمان پیدا کرے زمین پیدا کرے۔ زمین پیدا کرنے کے بعد چونکہ انسان کو لانا تھا لہٰذا اس نے اس میں پہاڑ بنائے' دریا بنائے سمندر پیدا کئے۔ ہوائیں پیدا کیں وہ عناصر خلق کئے۔ جن کی ضرورت پڑنے والی تھی ان عناصر کو خلق کرنے کے بعد زندگی پیدا کی۔ زندگی کو پیدا کرنے کے بعد نباتات کو لایا۔ نباتات تیار ہو گئے تو حیوانات کے آنے کی جگہ بنائی۔ جب حیوانات پیدا ہو گئے تو ان کو لایا۔ انسان کو جب لایا تو انسان کی جو

ضرورتیں تھیں مادی اور روحانی وہ سب اس کے لئے مہیا کر دیں ۔ ان تمام چیزوں کا اس کی طرف سے ہو جانا اس کا صراط مستقیم پر ہونا ہے ۔

اب رہ گیا مخلوق کا راستہ حق کی طرف ۔ اب اس میں ہر شخص کے اعتبار سے اس کا صراط مستقیم ہے جو رسول اللہ کی معرفت ہے وہ آپ کی اور میری نہیں ۔ جو نبیوں کی معرفت ہے وہ آپ کی اور میری نہیں ۔ اس معرفت کے ساتھ جو ان کی عبادتیں ہیں وہ میری اور آپ کی نہیں ۔ اگر وہ صراط مستقیم پر ہیں تو ہم کدھر گئے ۔ نہ ہماری وہ معرفت ہے نہ ہماری وہ نماز ہے نہ ہمارا وہ روزہ ہے تو اس اعتبار سے صراط کی دو قسمیں ہوئیں ۔ ایک مستقیم ایک منحرف ۔ اب دونوں کی دو دو قسمیں مزید ہو گئیں ۔ ایک مستقیم مطلق ایک مستقیم بحالہ ایک منحرف مطلق ایک منحرف بحالہ ۔ مستقیم مطلق وہ ہے کہ جس میں کسی اعتبار سے کسی جہت سے جھکاؤ کا تصور ہی نہ ہو سکے ۔ یہ مقام ہے محمد و آل محمد کا ۔

اب آپ کہیے گا کہ یہ دعویٰ تم نے کر دیا کہ یہ ان کا مقام ہے ۔ اس کا ثبوت تو میں اس کے لئے زیادہ تکلیف نہ دوں گا ۔ مستقیم مطلق، مطلق کی قید ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں بال برابر بھی جھکاؤ کسی طرف نہیں ۔ یہ کس کے لئے ہو سکتی ہے یہ اس کے لئے ہو سکتی ہے کہ جو تمام کائنات عالم میں اول مخلوق ہو کیوں کہ اول مخلوق میں عیب نہیں ہونا چاہئے ۔ وہ اعتدال حقیقی پر فائز ہونا چاہئے ۔ وہ اول مخلوق ہے حقیقت محمدیہ وہ ہے صراط مستقیم مطلق ۔ اس کے بعد صراط مستقیم بحالہ ۔ اپنی حالت کے اعتبار سے صراط مستقیم، اس میں ہیں ملائکہ، انبیاء اور مرسلین اور آپ اگر ہیں صراط مستقیم پر ۔ انبیاء مرسلین میں کیا بات ہے ان میں وہ ترک اولیٰ کا جو شائبہ ہے نا ۔ وہ ایک ذرا سا جھکاؤ ہے ۔ ہمارے اعتبار سے نہیں ان کے اعتبار سے ۔ جیسے حضرت آدم سے ترک اولیٰ ہوا یا حضرت موسیٰ کے اعتبار سے بعض چیزیں ہیں ۔

ظاہری اور ایک ہے باطنی۔ ظاہری صراط مستقیم جو ہے وہ شریعت ظاہری ہے نماز روزہ وغیرہ ایک ہے صراط مستقیم باطنی یعنی عقائد اور معرفت وغیرہ۔ جب انسان شریعت ظاہری پر عمل کرنے لگتا ہے تو اس کے نفس میں ذرا صفائی پیدا ہونے لگتی ہے جتنی معرفت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ھادی جو ہے۔ ھادی حقیقی۔ اس کی معرفت زیادہ ہوتی جاتی ہے اور جتنی معرفت بڑھتی جاتی ہے اتنی ہی محبت بڑھتی چلی جاتی ہے اور جتنی محبت زیادہ ہو جاتی ہے اسی قدر اس کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے یعنی قریب تر ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے کہ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میں اس کے اندر فنا ہو جاؤں۔ اس منزل کا نام ہے فنافی الشیخ ان لوگوں کی اصطلاح میں۔ جب یہ منزل یہاں تک پہنچتی ہے تو اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس کا عکس پڑنے لگتا ہے۔ اس کے اوپر اس کے اعمال پر اس کے عقائد پر اور اسی اعتبار سے اس شخص (یعنی ھادی) کا نام صراط مستقیم رکھا جاتا ہے۔ کیوں رکھا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ جب اپنے ھادی تک اس طرح پہنچ گئے کہ اس میں جذب ہونے کی کوشش ہونے لگی تو اب ادھر ادھر تو ہٹنا ہے ہی نہیں۔ وہ ملا ہو منزل سے اور یہ مل گیا اس سے لہٰذا اب راستہ سیدھا ہو گیا۔

اب ھادی جو ہے وہ اس صراط کی جگہ ہے یعنی وہ صراط مستقیم ہے۔ جب یہاں پہنچ گئے تو اب منزل یعنی خدا تک پہنچنا آسان ہو گیا۔ حقیقی حیثیت سے ایسے لوگ جو صحیح معنوں میں خدا تک پہنچے ہوئے ہیں جن میں نہ دوست نے اختلاف کیا ہو نہ دشمن نے اختلاف کیا ہو وہ میں تو یہی کہوں گا کہ محمد و آل محمد ہیں اور کوئی دنیا میں اس یقین کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ ہر ایک میں کچھ نہ کچھ جھکاؤ ہے مثلاً کہیں علم میں کمزوری ہے کہیں شجاعت میں کمزوری ہے کہیں جہاد میں کمزوری ہے کہیں مسائل کے جاننے میں کمزوری ہے۔ سوائے محمد و آل محمد کے اب یہ حضرات جناب رسالتمآبؐ کا ارشاد ہے مشکواۃ شریف میں دیکھو اگر

ظاہری اور ایک ہے باطنی۔ ظاہری صراط مستقیم جو ہے وہ شریعت ظاہری ہے نماز روزہ وغیرہ ایک ہے صراط مستقیم باطنی یعنی عقائد اور معرفت وغیرہ۔ جب انسان شریعت ظاہری پر عمل کرنے لگتا ہے تو اس کے نفس میں ذرا صفائی پیدا ہونے لگتی ہے جتنی معرفت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ھادی جو ہے۔ ھادی حقیقی۔ اس کی معرفت زیادہ ہوتی جاتی ہے اور جتنی معرفت بڑھتی جاتی ہے اتنی ہی محبت بڑھتی چلی جاتی ہے اور جتنی محبت زیادہ ہو جاتی ہے اسی قدر اس کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے یعنی قریب تر ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے کہ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میں اس کے اندر فنا ہو جاؤں۔ اس منزل کانام ہے فنافی الشیخ ان لوگوں کی اصطلاح میں۔ جب یہ منزل یہاں تک پہنچتی ہے تو اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس کا عکس پڑنے لگتا ہے۔ اس کے اوپر اس کے اعمال پر اس کے عقائد پر اور اسی اعتبار سے اس شخص (یعنی ھادی) کا نام صراط مستقیم رکھا جاتا ہے۔ کیوں رکھا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ جب اپنے ھادی تک اس طرح پہنچ گئے کہ اس میں جذب ہونے کی کوشش ہونے لگی تو اب ادھر ادھر تو ہٹنا ہے ہی نہیں۔ وہ ملا ہو منزل سے اور یہ مل گیا اس سے لہٰذا اب راستہ سیدھا ہو گیا۔

اب ھادی جو ہے وہ اس صراط کی جگہ ہے یعنی وہ صراط مستقیم ہے۔ جب یہاں پہنچ گئے تو اب منزل یعنی خدا تک پہنچنا آسان ہو گیا۔ حقیقی حیثیت سے ایسے لوگ جو صحیح معنوں میں خدا تک پہنچے ہوئے ہیں جن میں نہ دوست نے اختلاف کیا ہو نہ دشمن نے اختلاف کیا ہو وہ میں تو یہی کہوں گا کہ محمد و آل محمد ہیں اور کوئی دنیا میں اس یقین کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ ہر ایک میں کچھ نہ کچھ جھکاؤ ہے مثلاً کہیں علم میں کمزوری ہے کہیں شجاعت میں کمزوری ہے کہیں جہاد میں کمزوری ہے کہیں مسائل کے جاننے میں کمزوری ہے۔ سوائے محمد و آل محمد کے اب یہ حضرات جناب رسالتمآب کا ارشاد ہے مشکواۃ شریف میں دیکھو اگر

تم فلاں شخص کو اپنا رہبر بناؤ تو اس کو تم قوی اور امین پاؤ گے اگر فلاں شخص کو بناؤ گے تو جاہل ہو گا۔ دنیا کے اعتبار سے الگ ہو گا نہ آخرت کی طرف توجہ کرنے والا ہو گا اور اگر تم علی کو بناؤ گے اپنا امیر تو یہ مشکواۃ شریف ص ۵۹۷۔ اس میں ہے کہ اگر علی کو بنا لو گے تو پھر اس کے بعد ایک لفظ ہے **ولا اراکم فاعلین** اور مجھے خیال ہے کہ تم بناؤ گے نہیں لیکن اگر بناؤ گے تو **تجدوہ ھادیا مھدیا** تو تم اسے ہدایت کرنے والا پاؤ گے ہدایت پایا ہوا پاؤ گے اور **یا خذکم الطریق المستقیم** تمہیں سیدھا صراط مستقیم پر لے جائے گا۔

انسان میں کچھ صفتیں ایسی ہیں کہ جو اس کی ذات سے متعلق ہیں کچھ ایسی ہیں جو دوسروں سے متعلق ہیں۔ مثلاً نمازی ہونا آپ کو میری نمازوں سے کیا فائدہ پہنچے گا۔ آپ خود نماز نہ پڑھیں تو میری نمازیں آپ کو مل جائیں گی ؟

میں ایک آدمی کی تعریف کرتا ہوں بڑا نمازی ہے بڑا روزہ دار ہے۔ بڑا پرہیز گار ہے۔ اس کی ذات سے متعلق ہے۔ بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جو دوسروں کی ذات سے متعلق ہوتی ہیں مثلاً فلاں شخص بڑا سخی ہے تو سخی کا مطلب یہ ہے کہ یہ صفت بھی اس میں پائی جاتی ہے اور ایسی صفت ہے کہ جو دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ جس جس کے متعلق پیغمبر اسلام نے جو کچھ فرمایا وہ ایسی صفتیں ہیں جو ان کی ذات سے متعلق ہیں وہ آگے نہیں بڑھتی ہیں دوسروں تک۔ لیکن امیرالمومنین کے لئے جو ارشاد فرمایا ! **تجدوہ ھادیا مھدیا** تم اس کو ہدایت کرنے والا پاؤ گے اور مہدی پاؤ گے گویا نص کر رہے ہیں۔ کہ مہدی ہے یعنی ہدایت اتنی دی ہے خدا نے اس کو کہ مہدی کا لقب مل گیا ہے اور اس کے بعد اور توضیح کرتے ہیں۔ **یا خذکم الطریق المستقیم** تم کو سیدھے راستے پر لے جائے گا۔ تو جو سیدھے راستے کے اوپر لے جائے اور اس میں قوت کے ساتھ یہ صفت پائی جائے تو خود صراط مستقیم نہیں بنے گا ؟

اب ایک مثال دوں ظاہر کی ۔ ہمیں خدا تک پہنچنا ہے ۔ خدا تک پہنچنے کے لئے یہودی ایک راستے پر گامزن ہیں ' عیسائی دوسرے راستے پر گامزن ہیں ہم یہ کہتے ہیں رسول تک پہنچ جاؤ ' خدا مل جائے گا ۔ رسول ملے اور خدا ملا ۔ ٹھیک ہے مگر اب مصیبت یہ بن گئی کہ اگر رسول تک پہنچنا ہوتا پہنچ جاتے ۔ اگر اس کے پاس پہنچنے کا بھی ایک راستہ ہوتا مگر وہاں تک پہنچنے کے راستے الگ الگ ہو گئے ۔ پتہ نہیں کونسا راستہ رسول تک پہنچ پائے تو اب ہم پریشان ہو کر پوچھتے ہیں کہ یارسول اللہ آپ خود ہی بتائیے کہ ہم کیا کریں آپ تک کیسے پہنچیں کہ ہم خدا تک پہنچ جائیں جناب رسالتمابؐ کی مختلف قسم کی آوازیں آئیں گی مثلاً ان میں سے ایک یہ کہ کتنی مرتبہ میں کہہ چکا ہوں تم یاد نہیں کرتے ہو ۔ **انا مدینتہ العلم و علی بابھا** میں علم کا شہر ہوں اور علی دروازہ ہیں ۔ لہٰذا علی تک پہنچے رسول تک پہنچ گئے رسول تک پہنچ گئے خدا تک پہنچ گئے ۔ یہ ہے ایک صراط مستقیم ۔

اسی وجہ سی آئمہ طاہرین نے الگ ارشاد فرمایا ۔ امیرالمومنین نے ارشاد فرمایا **نحن الصراط المستقیم** وہ صراط مستقیم ہم ہیں دیکھیں یہ بھی ایک چیز ہے ۔ جب زمانہ مخالف ہو جائے تو دشمن کبھی دشمن کی تعریف سننا گوارہ نہیں کرتا ۔ دیکھنا تو چھوڑ دیجئے ۔ امیرالمومنین بلند آواز سے کہتے تھے **اناالصراط المستقیم** میں ہوں صراط مستقیم تو کم از کم اور کچھ نہ ہوتا تو دنیا میں لاکھوں آدمی تھے نا ' اس وقت مسلمان ' وہاں نہ کہتا دوسرے گاؤں میں جا کر کہہ دیتا تیسرے گاؤں میں جا کر کہہ دیتا میں ہوں صراط مستقیم ۔ مگر کوئی نہ کہہ سکا کیوں نہ کہہ سکا کہ اگر کہوں گا تو غلطیاں میری لوگ جانتے ہیں ۔ اس لئے لوگوں کے دل میں اس کا وقار نہ ہو گا ۔ امیرالمومنین کوفے کے منبر پر جا کر فرمایا کرتے تھے اور آج ایک مقام پر نہیں سینکڑوں مقامات پر ہے کہ دیکھو وہ صراط مستقیم میں ہوں ۔ مجھ تک

اگر پہنچ جاؤ گے عمل کر لو گے اور میری محبت اگر دل میں رکھ لو گے تو یہ صراط مستقیم ہے۔ جو خدا تک پہنچانے والی ہے۔ آئمہ اہل بیت نے کہا کہ نحن سبل الھدی ہم ہدایت کے راستے ہیں۔

اب ایک چیز اور پیش کر کے ختم کر رہا ہوں۔ سنئے شیطان نے کہا ہے۔ خدایا تو نے مجھے گمراہوں میں داخل کر دیا میں اب تیرے سیدھے راستے میں بیٹھ جاؤں گا دائیں طرف سے بھی آؤں گا بائیں طرف سے بھی آؤں گا سامنے کی طرف سے بھی پیچھے کی طرف سے بھی اور نہیں چھوڑوں گا کہ تیرے راستے پر یہ چل سکیں۔ ذرا اس جرات کو دیکھئے۔ ایک فقرہ کہا ہے جناب مفتی میر عباس نے۔ اتنا بڑا عالم تھا کبھی کسی نیک کام کرتے ہوئے کو یہ سمجھ کہ یہ نیک نہیں ہے برا کام ہے اس نے ایسا نہیں کیا کہ کرنے دیا ہو۔ وہ جو برا کام کرتا ہے نا اسے چھوڑ دیتا ہے کرتے رہو۔ یہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی برا کام کر رہا ہے اور اس نے غلطی کھا کر یہ سمجھ لیا ہو کہ یہ تو نیک کام ہے اسے ہٹانے کی کوشش کی ہو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اب آپ سمجھے کہ وہ تمام افعال اور تمام اعمال سے واقف ہے۔ اتنا بڑا عالم ہے بہرحال اسے معلوم تھا کہ یہ جو پیدا ہوا ہے اس میں یہ یہ اجزا ہیں اس کے علاوہ اس سے پہلے دیکھ بھی چکا ہے وہ حالات لوگوں کے۔ کہتا ہے دائیں بائیں آگے اور پیچھے چاروں طرف سے آؤں گا۔ آدم نے جو یہ فقرے سنے تو گھبرائے اور فرماتے ہیں پرودرگار پھر میری اولاد کا کیا بنے گا پروردگار عالم کی آواز آئی کہ آدم گھبراؤ نہیں شیطان دو سمتیں چھوڑ گیا ہے۔ فوق اور تحت اوپر اور نیچے کی جب مرا بندہ خلوص کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کرے گا تو بخش دوں گا اور جب سجدے میں گر جائے گا نیچے کی طرف تو میں اس کو بخش دوں گا۔ خیر بہرحال وہ کہہ رہا ہے کہ میں تیرے سیدھے راستے میں بیٹھ جاؤں گا اب جب شیطان مع ذریت کے آمادہ پیکار ہو تو پناہ کسی نہ کسی کی ملنی چاہئے۔ میرے بھائیو قران مجید

کی آیتیں ہیں ۔ پھر اس نے لشکر اتنا بڑھا لیا اپنا کہ ذریت تو تھی ہی اس کا لشکر انسانوں میں سے بہت سے لے لئے اس نے **قل اعوذ برب الناس الخ** یہ بھی وسوسے پیدا کرتے ہیں انسان بھی اور جن بھی ۔ تو کچھ انسانوں کو بھی اس نے اپنے گروہ میں داخل کر لیا ہے ۔ اتنا بڑا لشکر تو بتائے ۔ آپ ہیں کیا چیز جو اس کا مقابلہ کر سکیں ۔ ضرورت ہے آپ کو کسی قوی کی پناہ میں چلے جائیں ۔ مگر قوی ایسا ہو جس کی پناہ کے سامنے اس لشکر شیاطین کی کوئی حقیقت ہی نہ ہو

ایسا قوی جو کسی جنگ میں ایسا نہ ہوا کہ خدا کی طرف سے تمغہ نہ ملے ہوں ۔ بڑی سے بڑی جنگ جیسی ہوئی اتنا ہی زبردست سے زبردست تمغہ ملا ۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ تاریخ قابل اعتبار چیز ہے ۔ تو تاریخی چیزیں ہیں کہ **برزا لاسلام کلہ الی الکفر کلہ** پورا اسلام پورے کفر کے مقابلے میں جا رہا ہو ۔ **ضربتہ علی فی یوم الخندق افضل من عبادہ الثقلین** ایک ضربت دونوں جہاں کی عبادت سے افضل ۔ کہیں پر **لاعطین الرایتہ غدا الخ** اس وقت ان احادیث میں ذرا اور مزہ آجاتا ہے کہ جب بخل کرنے والے ان کو لکھ جاتے ہیں ۔ آپ دیکھئے تو سہی کہ کتنی یہ مضبوط چیز ہے کہ نہ لکھنے والوں نے بھی لکھ دی ہیں ۔ اس میں لکھا ہے میں کل اس شخص کو علم دوں گا جو خدا اور رسول سے محبت کرتا ہو گا اور یہی نہیں کہ ایک طرف سے محبت ہو خدا اور رسول اس سے محبت کرتے ہوں گے معلوم ہوا کہ معرفت کاملہ رکھنے والا ہے ۔ چنانچہ علم لشکر جس کو دیا آپ جانتے ہیں اور وہ غدیر خم کا والی علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں بس راستہ واضح ہے ایسے راستہ دکھانے والے کہ خود راستہ بن گئے ۔ جناب رسالتمآبؐ کی آوازیں ہیں ارجح مطالب میں کہ یہ صراط مستقیم ہیں انہوں نے دعویٰ کیا اور اس زمانے میں جب ذرہ ذرہ دشمن تھا کسی نے اس کا انکار نہ کیا ۔

ایک فقرہ یہ اور سن لیجئے کہ حضور والا عقائد کو ذرا ایک طرف رکھیے

اعمال کو تو دیکھئے۔ عبادتیں ایسی کہ دنیا عبادت کو دیکھے تو کہے۔ عمریں عبادت میں گزر گئیں۔ جہاد ایسا کہ اگر میدان جنگ میں کسی کو نظر آ جائیں تو معلوم ہو گا کہ جہاد ان کے سوا کسی نے کیا ہی نہیں۔ علم ایسا کہ جب مسند قضا پر بیٹھ جائیں تو دنیا متحیر ہو کر رہ جائے اس طرح سے علم کے چشمے جاری ہوتے ہوئے دکھائی دیں۔ یعنی کوئی صفت ایسی نہیں جو کمال تک نہ ہو۔ زہد کی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے۔ وہ علیؑ جو شب ضربت اپنی بیٹی سے کہہ رہا ہے جب جناب ام کلثوم نے افطار کے وقت جو کی روٹی کے ساتھ ایک پیالہ دودھ کا اور نمک رکھ دیا ہے کہ بیٹی تم نے کبھی اپنے باپ کو دیکھا ہے کہ ایک وقت میں روٹی کی ساتھ دو چیزیں اس کے سامنے آئی ہوں۔ بیٹی سے اور کسی سے نہیں۔ جو گھر کے تمام حالات سے اول عمر سے آخر تک واقف ہے اس سے یہی کہنا آپ اندازہ کیجئے کہ یہ ہے زہد۔

اور چیزیں چھوڑیئے جان کی قربانی بڑی مشکل ہے اے میرے بھائیو۔ ذرا قربانی کے میدان میں تو آیئے ابن ابی الحدید معتزلی لکھتے ہیں کہ دنیا کے بہادروں کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا علی نے ' اسی طرح سے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں خدا کی راہ میں قربانیاں پیش کرنے والوں کے نام گم ہو گئے اس کربلا کے شہید کی قربانی کے سامنے ' جب اس قربانی کا ذکر آتا ہے۔ بخدائے وحدہ لا شریک اس مقام پر کہتا ہوں کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا جس سے ایک پادری کی باتیں ہوئی تھیں جو مبلغ تھا اور ایران میں تھا وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ ہم حضرت عیسیٰؑ کی قربانی کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں ان میں کچھ چیزیں تقسیم کرتے ہیں لالچ دیتے ہیں یہ سب چیزیں لے کر وہ جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد ہم سوچے سمجھے ہوئے الفاظ کے ساتھ دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کی قربانی کو پیش کرتے ہیں اور لوگ متاثر ہوتے ہیں لیکن جب ہماری تقریر

ختم ہوتی ہے تو ایک گوشے سے آواز آتی ہے، حسینؑ۔ جو کچھ ہماری تقریر ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے کیوں ؟ اس لیے کہ امام حسینؑ کی وہ قربانیاں جو کربلا میں آپ نے خدا کی بارگاہ میں پیش کی ہیں وہ سامنے آجاتی ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کی قربانی کچھ رہ ہی نہیں جاتی ۔ وہ قربانی جس مین فریادیں بھی ہیں اور وہ انجیل میں آج تک رہ گئیں (ایلی ایلی لما سبقتنی) اے ایلیا " مجھے کہاں چھوڑ کر چلا گیا " وہاں یہ فریاد کی بھی آواز ہے ۔ ادھر یہ قربانی ہے کہ جوان بیٹے کی لاش لا رہے ہیں اور سجدہ شکر ادا کر رہے ہیں پروردگارا اور بھی میرے پاس ھدیئے ہیں اصحاب کی لاشیں لا رہے ہیں ۔ ان کی وفاداری یاد کر کے آنکھوں میں آنسو بھی آجاتے ہیں لیکن پھر سجدہ میں جھک جاتے ہیں تیرا شکر مجھے تو نے ثابت قدم رکھا ۔

اے میرے بھائیو ! آخر میں چھ مہینے کے بچے کی قربانی دنیا تصور نہیں کر سکتی ہے اس کا ان الفاظ میں جو ہماری زبانوں سے نکل آتے ہیں ۔ سننے والے سن لیتے ہیں مگر کبھی تصور بھی کیا کہ باپ اور چھ مہینے کا بچہ اور اس کی ماں کا دودھ خشک ہو چکا آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ۔ خدا نہ کرے کہ آپ اپنے بچوں کو اس حالت میں دیکھیں ۔ کیا عالم ہوتا ہے ماں باپ کا ایسی حالت میں ۔ لیکن حسینؑ اس بچے کو لے کر نکلتے ہیں ۔ پالنے والے یہ ھدیہ اور رہ گیا ہے یہ بھی پیش کرنے والا ہوں ۔ چنانچہ اس کی قبر خود بناتے ہیں ۔ تیر چلتا ہے جھٹکا لگتا ہے اور بچہ باپ کو دیکھتا ہے روح نکلنے کے وقت بتلائیے حسینؑ پر کیا گذر گئی ہو گی ۔ مگر اس بچے کے دفن کرنے کے بعد دو رکعت نماز شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ یہ حسینؑ ہی کا کام تھا ۔ ہے کوئی دنیا میں جو کسی میدان میں ایسی قربانی پیش کرے ۔

اے میرے بھائیو ! کبھی اپنے مقام پر انصاف سے دیکھنا اور سوچنا ۔ حضرت ابراھیمؑ کے ہاتھ سے چھری چھوٹنے لگی پٹی باندھ لی آنکھوں پر ۔ ان سے بڑا اور کوئی کیا ہو گا لیکن حسینؑ گلے سے علی اصغر کے تیر کھینچتے ہیں بچہ تڑپ رہا ہے اور

حسین ؑ کہتے ہیں خدایا تیرا شکریہ ۔ میری یہ قربانی بھی تیری بارگاہ میں پیش ہو گئی اس کے بعد سب سے بڑی چیز کہ گھر سے بہنوں اور بیٹیوں کو لانا اور یہ سمجھ کر لانا اور کہہ کر لانا کہ بہن تم کو قید ہونا ہے ۔ اس لیے لے جا رہا ہوں ۔ دشمنوں کے ہاتھوں میں اسیر ہونا ہے ۔ اس لیے تمہیں لیے جا رہا ہوں ۔ چھوٹی بچیوں کو لے جانا تا کہ دنیا یہ نہ کہے کہ لڑنے آئے تھے ۔ چھ مہینے کے بچے کو کبھی کوئی لاتا ہے میدان جنگ میں ۔ کبھی کوئی آیا ہے تین سال کی بچی کو لے کر ۔ ڈھائی ڈھائی سال کے بچوں کو لے کر کوئی گیا ہے میدان جنگ میں مگر حسین لا رہے ہیں تا کہ میرے مقصد کی تکمیل ہو جائے ۔ یہ میری بہنیں قید کی جائیں گی ۔ یہ چھوٹے بچے مارے جائیں گے طمانچے کھائیں گے ۔ ایک طرف ان کا بدعا نہ کرنا اور دوسری طرف صبر و سکون کے ساتھ چلا جانا اور راستے میں تقریر کرتے ہوئے جانا ۔ لوگو! یہ کٹا ہوا سر میرے مظلوم بھائی حسین ؑ کا ہے ۔

کوفے کی قید میں لے ہے ۔ وھاں سے چلے ذرا آپ اس کا اندازہ کیجئے ۔ پھر ایک سال کی قید شام میں قید کرنے والا وہ ہے جس نے یہ بھی نہیں سوچا ہے کہ یہ اولاد رسول ہے یہ رسول ؐ کی بیٹیاں اس کی قید میں ہیں ایک سال تک رہے ہیں اور ہر وقت یہ خیال رکھا کہ کسی کی زبان سے بدعا نہ نکل جائے ورنہ مقصد بگڑ جائے گا ۔ دنیا تباہ ہو گئی تو ۔ یا یہ ظالم مارے گئے تو کون انہیں ظالم کہے گا اور ہماری مظلومی کا اظہار کیوں کر ہو گا ۔ اگر حسین ؑ کبھی کچھ سوچ کر رنجیدہ سے نظر آتے ہیں تو زینب آگے بڑھ کر پوچھتی ہیں بھیا کیوں رنجیدہ ہیں بہن بھائی کو تسلی دیتی ہے اگر حسین ؑ کبھی زینب کو غمگین دیکھتے ہیں تو آپ تسلی دیتے ہیں بہن کیوں غمگین ہو ۔

آخری رخصت کے وقت آن کر کہتے ہیں جب کوئی نہیں رہا ۔ چھ مہینے کا بچہ بھی نہیں رہا ۔ اس وقت آتے ہیں خیمے میں اور آواز دیتے ہیں بہنوں میرا اب

آخری سلام قبول کرو۔ اس کے بعد میں واپس نہیں آؤں گا۔ جناب زینب کو پھر وصیتیں کرتے خیمے میں داخل ہو گئے۔ بیبیاں چاروں طرف کھڑی ہوئی ہیں حسینؑ کی نظر جھکی ہوئی ہے کیونکہ جب نظر اٹھاتے ہیں تو وہ بی بی سامنے ہے جس کا جوان بیٹا مارا گیا ہے دوسری طرف نظر اٹھاتے ہیں وہ بی بی نظر آتی ہے جس کا بھائی مارا گیا بتایئے کدھر نظر اٹھائیں نظر جھکائے ہوئے ہیں بہن سے باتیں کر رہے ہیں اے میری بہن اب میں جا رہا ہوں میرا امتحان ختم ہو گیا۔ تمہارا امتحان شروع ہو رہا ہے یہ بچے تمہارے حوالے ہیں۔ یہ ساری بی بیاں تمہارے حوالے بہن خیال رکھنا ان بچوں کا نگرانی کرنا دیکھنا میرے بیٹے سجاد کو قتل کرنے کا ارادہ کریں گے ذرا اس کا خیال رکھنا۔ امام حسینؑ کے بعد جناب زینب کی حالت یہ ہے کہ کبھی امام زین العابدین کے پاس آنا تیمارداری کر رہی ہیں کبھی بیبیوں کے بچوں کو لے کر ٹہلنا۔ کبھی سکینہ کو گود میں لے کر یہ اس طرح کی کشمکش ایک۔ جب یہ بی بیاں کربلا میں تھیں کتابوں میں لکھا ہے چونسٹھ بی بیاں قید ہو کر گئیں اور ان میں تقریباً چالیس یا پینتالیس بچے تھے کوئی دو سال کا تھا کوئی ڈھائی سال کا تھا کوئی تین سال کا تھا کوئی چھ مہینے کا یہ قید ہو کر گئے ہیں ماؤں کے ساتھ لیکن جب چھوٹ کر مدینے پہنچے ہیں تو بچے دو تین کے سوا اور نظر نہیں آئے۔ یہ کدھر گئے یہ کہاں چلے گئے بچے معلوم نہیں ان پر کیا گزر گئی۔

تاریخ میں ایک بچی کے انتقال کا ذکر ملتا ہے جو شام کے قید خانے میں مر گئی۔ قید خانہ ایسا ملا۔ جس میں دن کے وقت بھی ایک دوسرے کو سجھائی نہیں دیتا تھا۔ بچے رات تو گزار لیتے تھے۔ اس کے بعد گھبرا گھبرا کر پوچھتے تھے ماؤں سے۔ اماں دن کب نکلے گا۔ جب روتے تھے تو مائیں سمجھاتیں تھے۔ اے بچو شہزادی کو رنج ہو گا روؤ نہیں۔ مگر ایک بچی تھی بعض اس کا نام سکینہ لکھتے ہیں بعض رقیہ لکھتے ہیں قبر آج بھی موجود ہے اس کی۔ محل سرائے یزید کے پاس۔

اب وہ کھنڈر ہو چکا مگر یہ قبر آسمان کے زھرا ستارے کی طرح آج بھی چمک رہی ہے ۔ اولاد والو! ذرا دل پہ ہاتھ رکھ کر سننا ۔ یہ بچی اندھیرے کی وجہ سے ایک دفعہ جو گھبرائی تو اتنی گھبرائی کہ اس نے رونا شروع کیا اتنی روئی کہ چپ نہیں ہوتی تھی ۔ امام زین العابدین بیڑیاں پہنے ہوئے اٹھے ۔ اس بچی کو گود میں لے کر کھڑے ہو گئے مگر بچی رونا نہیں بند کرتی ہے ۔ آدھی رات کے قریب جب ہوئی تو بچی روتے روتے ہمارے آپ کے گھروں میں جب بچے اندھیرے سے گھبراتے ہیں تو روشنی کرتے ہیں جب تک وہ نہ سو جائیں ۔ ہائے زینب کہاں سے لائیں روشنی ۔ آدھی رات کے قریب بچی کی آواز ذرا کم ہو گئی ۔ اطمینان ہوا قیدیوں کو کہ اس کی آنکھ لگ گئی تھوڑی دیر سوئی تھی کہ ایک مرتبہ پھر اٹھی پھوپھی کو لپٹ گئی ۔ پھوپھی جان میرے بابا ابھی مجھے گود میں لیے ہوئے تھے مجھے پیار کر رہے تھے پھوپھی جان میرے بابا کدھر چلے گئے ۔ مجھے پھر قید خانے میں چھوڑ کر چلے گئے ۔ یہ جو بچپنے کی باتیں سنیں قیدیوں میں ماتم ہونے لگا ۔ شور فریاد و فغاں کا بلند ہوا ۔ یزید کے کانوں تک یہ آواز پہنچی اس نے کسی سے پوچھا کہ دیکھو کیا معاملہ ہے آج خلاف معمول یہ اس قدر شور کیسا ہے وہ گیا پوچھ کر آیا کہا وہ بچی اپنے باپ کو یاد کر رہی ہے ۔ خواب میں اپنے باپ کو دیکھ لیا کسی طرح چپ نہیں ہوتی ۔ اس کی باتوں سے اس کے رونے سے سارے قیدی رو رہے ہیں ۔ یزید نے کہا کہ اس کے باپ کا سر لے جا ۔ یہ گویا تسلی دی جاری ہے ۔ سپاہی سر لے کر آیا دروازے پر اس نے آواز دی زین العابدین ؑ حسین ؑ کا سر لے لو ۔ جب بیبیوں نے سنا کھڑی ہو گئیں امام زین العابدین نے سر لیا ۔ سکینہ نے اسے امام زین العابدین سے لے لیا ۔ اپنی گود میں رکھ کر آنکھیں چومیں ۔ کٹے ہوئے گلے پر منہ رکھ کر کہہ رہی ہے ۔ بابا یہ آپ کا گلا کس نے کاٹ ڈالا مجھے کس نے یتیم بنا دیا ۔ بابا اب میں کیا کروں گی ۔ یہ کہتے کہتے روتے روتے ایک مرتبہ اس کی آواز پھر

جو بند ہونی شروع ہوئی اور اس کے بعد خاموشی جو ہوئی جناب زینب آگے بڑھیں اب جو دیکھا تو جسم ٹھنڈا ایک مرتبہ آواز دی بیٹا زین العابدین سکینہ باپ کے پاس چلی گئی۔ پھر ایک مرتبہ شور ہوا ماتم کا۔ رونے پیٹنے کا شور ہوا۔

یہ قبرستان نہ تھا یہ قید خانہ تھا۔ غریبوں کی میتوں کا ایک خاص مقام تھا جہاں غریب دفنائے جاتے تھے۔ وہیں کوئی لے جاتا اس بچی کو دفن کر دیتا۔ اس بچی کی قبر اس قید خانے میں بنی۔ معلوم ہوتا ہے کوئی جنازہ اٹھانے والا نہ تھا۔ جو غریبوں کے قبرستان تک ہی پہنچا دیتا۔ جب جناب زینب چھوڑ کر جانے لگی ہیں۔ ایک سال کے بعد جانے لگی ہیں تو شام کی عورتیں آئیں رخصت کرنے کے لیے اب ان کو اجازت مل گئی تھی کہ وہ اہلبیت کے پاس آکر حسینؑ کا پرسہ دے سکیں۔ وہ آئیں، جناب زینب نے چلتے وقت کہا۔ شام کی رہنے والی بیبیو! میں اب یہاں سے جا رہی ہوں تمہارے شہر سے رخصت ہو رہی ہوں لیکن اپنے بھائی کی ایک نشانی چھوڑے جا رہی ہوں۔ جناب زینب نے ان سے یہ فرمائش نہیں کی کہ قبر پر آنا فاتحہ پڑھنا ان سے یہ فرمائش نہیں کی کہ پھولوں کی چادر چڑھانا یہ نہیں کہا کہ جھاڑو دے دیا کرنا، فرمائش کیا کی؟ بیبیو میں جا رہی ہوں اپنے بھائی کی ایک نشانی چھوڑے جا رہی ہوں اگر تم ادھر سے گزرنے لگو تو اس کی قبر پر ذرا سا پانی چھڑک دیا کرنا اور کبھی کبھی چراغ جلا دیا کرنا۔ پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گئی۔

حق اور پیروی نفس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولو اتبع الحق اھو آء ھم لفسدت السموات والارض ومن فیھن

پروردگار عالم ارشاد فرما رہا ہے، کہ اگر حق لوگوں کی خواہش کی پیروی کر لے تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے فاسد ہوجائیں۔ یعنی پھر نہ آسمان رہے گا، نہ زمین رہے گی۔ اس کے ذیل میں چند فقرے آپ حضرات کی خدمت میں مجھے عرض کرنے ہیں۔

اس آیہ وافی ہدایہ میں مقصد پروردگار عالم یہ ہے کہ لوگوں کو یہ چاہئے کہ وہ حق کی پیروی کریں۔ ان کی خواہش یہ نہیں ہونی چاہئے، کہ حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے۔ بڑی عجیب سی آیت ہے اور بڑی عجیب سا ایک فقرہ ہے پروردگار عالم کا۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ فطرت بھی اس کی متقاضی ہے۔ حق حق ہے اور باطل باطل ہی ہے۔

قرآن مجید میں ھوا آیا ہے۔ ھوا کے معنی ہیں خواہش نفس کے۔ خداوند عالم نے ایسے ہی مقام پر اس کا ذکر فرمایا ہے جہاں اس کی مذمت مقصود ہے۔ یہ خواہشات نفس ہی ہیں کہ جن کی وجہ سے دنیا میں یہ فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ ارشاد یہ ہوتا ہے کہ یہ جو خواہشات نفس ہیں۔ ان کے لئے۔ یہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ حق کے پیچھے ہوجائیں۔ ابتداً سے ایسا ہوتا آیا ہے کہ لوگوں کی یہ خواہش رہی ہے کہ جو کچھ وہ چاہیں۔ حق بھی وہی چاہنے لگے۔

اصول پہلے بنتے ہیں - اس کے بعد ان کے مطابق عمل کیا جاتا ہے - یہ غلط چیز ہے کہ پہلے عمل ہوجائے ' اور اس کے بعد اصول بنائے جائیں - عام لوگ اسی راستے پر گامزن ہیں ' کہ پہلے کچھ کر لیا - اس کے بعد جو کچھ کیا ہے اسے اصول میں داخل کر لیا - پھر یہ خواہش کی کہ جو کچھ کیا ہے وہ کسی طریقے سے قرآن مجید سے نکل آئے - قرآن مجید ایسی چیز ہے کہ اس میں سے جو چاہیں آپ نکال لیں - مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ نقیضین ' دونوں حق ہوجائیں - ان میں سے ایک ہی حق ہوگی دوسری یقیناً باطل ہوگی -

قرآن مجید کی یہ کیفیت ہے کہ خود جناب رسالت مآب ؐ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن سے جیسا کوئی چاہے ویسا مطلب نکال لیتا ہے - اور قرآن بے چارہ کچھ نہیں کہتا - جو کچھ فرقے بندیاں ہو رہی ہیں اور فرقے بن چکے ہیں - سبھی نے اپنا مطلب قرآن سے نکالا ہے - اور اسی کے اعتبار سے وہ اپنے آپ کو حق سمجھتے ہیں -

خواہشات نفس جو پروردگار عالم نے انسان کے لئے پیدا کی ہیں - اس میں بے شمار مصلحتیں تھیں - ان کو پیدا ہونا چاہئے تھا - لیکن اس کے ساتھ اسنے یہ فرما دیا کہ جو خواہشات نفس ہیں ' ان کے بارے میں تم خیال رکھنا ' کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری یہ خواہش ہونے لگے کہ حق ان کا طرف دار بن جائے - یہ اس لئے کہ تمام لوگوں کی خواہشات ایک جیسی نہیں ' لاکھوں خواہشیں ' اور آپس میں متناقض خواہشیں - ایک کسی طرف جا رہا ہے اور دوسرا کسی کی طرف جا رہا ہے - یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حق ہر طرف جاتا رہے -

اگر آپ غور فرمائیں ' تو یہ بڑی واضح سی چیز ہے کہ انسانوں کے مزاج متحد نہیں ہیں - ہر شخص کا مزاج الگ ہے - ہر قوم کا مزاج الگ ہے - ہر ایک قبیلے کا دوسرے قبیلے سے مزاج مختلف ہے - اب اگر ایک حد تک یہ مان بھی لیا

جائے کہ حق کسی کی خواہش کی پیروی کرے۔ تو پھر تمام دنیا کی خواہشات کی پیروی کس طرح سے کر سکتا ہے۔ ہماری خواہشات آپس میں متضاد ہیں۔ متناقض ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ پروردگار عالم نے لوگوں کے سپرد یہ کام کیا نہیں، کہ تم اپنے لئے قوانین بنا لو۔ کشمیر والے اپنے مزاج کے اعتبار سے بناتے۔ سرحد والے اپنے مزاج کے موافق بناتے۔ آپ اپنے موافق بناتے۔ جس طرح کہ بن رہے ہیں۔ یعنی دنیا کا قانون ایک نہیں۔

یہ چیز جسے جمہوریت کہا جاتا ہے۔ اس کے آج تک معنی بھی طے نہ ہو سکے۔ کہ جمہوریت کا مطلب کیا ہے۔ ہمیں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ جمہوریت کے معنی ہیں اہل حل و عقد کا اجتماع۔ کسی چیز پر۔ اس کے بعد کہیں کچھ کہا جاتا ہے۔ کہیں کچھ کہا جاتا ہے۔ کہیں تمام بالغ اشخاص کا اجتماع کیا جاتا ہے کہیں عورتوں کو اس سے الگ کیا جاتا ہے۔ کہیں عورتوں کو ساتھ رکھا جاتا ہے۔ یہ تمام الجھنیں پیدا ہو چکی ہیں۔ جس کے پیچھے دنیا چل رہی ہے۔ ان سب کے بارے میں کہا جاتا ہے جمہوری تقاضے۔ اور جمہوری خواہشات۔ لیکن حقیقت میں جمہوریت کے معنی ہی آج تک کسی نے نہیں بتائے۔

اسلام نے کبھی ایک منٹ کے لئے بھی جمہوریت کی شکل نہیں دیکھی قانون جو بنایا وہ خدا نے۔ لیجئے جمہوریت یہیں سے ختم ہو گئی۔ جمہوریت میں قانون بھی جمہور کی طرف سے بنا ہوا ہونا چاہئے۔ اور ہونا بھی جمہور کے لئے چاہئے۔ یہ ہیں جمہوریت کے معنی۔ قانون تو پہلے ہی سے خدا کا بنایا ہوا ہے۔ لہٰذا جمہوریت کی ایک ٹانگ تو یہیں سے ٹوٹ گئی۔ حکمران جو ہو۔ وہ بھی جمہوریت کی طرف سے ہو۔ اسلام میں یہ چیز بھی نہیں۔ ہادی یا رہنما جو ہو گا وہ جمہور کی طرف ہرگز نہیں۔ جناب رسالت مابؐ وہ بھی خدا کی طرف سے آئے۔

اب کس جگہ جمہوریت رہ گئی اسلام میں۔

اب جناب رسالت مابؐ جب اٹھے۔ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اسی مزاج کا آدمی ہو۔ جس مزاج کے جناب رسالت مابؐ تھے۔ اسی طبیعت کا کوئی شخص ہو۔ اتنا ہی علم رکھتا ہو۔ اتنا ہی دماغ ہو۔ اور یہ کسی شخص کی پیشانی پر لکھا ہوا نہیں ہے۔ تو اب ضرورت ہوئی اس بات کی کہ یا رسولؐ بتائے کہ یہ ہے ایسا' جیسا میں ہوں یا پروردگار عالم بتائے۔ جس کو اس نے بتلا دیا۔ جمہوریت ختم ہوگئی۔ اور اس کی طرف سے حکمرانی مقرر ہوگئی۔ میں اس چیز کو آپ کے سامنے نہیں عرض کرنا چاہتا کہ جس چیز کو جمہوریت کہا جا رہا ہے۔ اس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اسی ضمن میں ایک بات مزید سن لیں' عرب کی سب سے معزز قوم جو تھی' وہ بنی ہاشم تھے۔ رسول اللہ انہی کے ایک فرد ہیں۔ اب جس کام میں بنی ہاشم شریک نہ ہوئے۔ وہ جمہوریت کیسے ہوگی۔ بہرحال اسی طرح کام چلتا رہا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ پروپیگنڈہ کی وجہ سے' دنیا کے دماغوں پر ایک رعب پڑ چکا ہے کہ جمہوریت ہونی چاہئے' چونکہ امریکہ اور یورپ نے اسے اپنا لیا ہے۔ جہاں مادی ترقی کچھ زیادہ ہوچکی ہے۔ اس لئے کہا یہ جا رہا ہے کہ اسلام میں بھی یہی ہے۔ (غالباً لاشعور میں یہ ہے کہ) ایسا نہ کہیں گے تو قدامت پسندی کے زمرے میں آجائیں گے۔

جمہوریت کے ذیل میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مذہب اچھا وہ ہے' جس میں لچک ہو۔ یعنی جس طرف چاہو' اسے لے جاؤ۔ میں یہ کہتا ہوں کہ پھر مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیوں؟ اس کے لئے حاکم تو ہوگئی وہ طبیعت' کہ جس طرف طبیعت جائے' اس طرف اسے جھکا لو۔ مثلاً اگر پردے کی خواہش ہے کہ عورتیں پردے میں رہیں' تو اسی طرف جھکا لیتے ہیں کہ قرآن یہی کہتا ہے۔ اور اگر بے

پردگی کی ضرورت ہے تو قرآن کی آیتیں اسی طرف کردی جاتی ہیں۔ تو اب قرآن کی بھی ضرورت نہیں رہی، اب تو حاکم ہوگئی طبیعت۔ جو جھکا رہی ہے قرآن کو۔ تو اصل شے ہوئی طبیعت، جس نے لچک پیدا کرنے کی خواہش کی۔

میرے بزرگو حق جو ہے، وہ آج بھی حق ہے، کل بھی حق تھا اور آئندہ بھی حق ہوگا۔ اور وہی چیز حق ہو سکتی ہے جس کو خدا اور رسول حق بتلائیں۔

اچھا یہ ضروری نہیں کہ ہر شے کی علت آپ سے بیان کر دی جاتی۔ اب آپ اگر یہ کہیں کہ علت نہیں بیان کی تو ہم خود کیوں نہ نکالیں۔ خدا اور رسول کا حکم ایسا نہیں۔ نماز کیوں واجب کی گئی۔ صبح کی دو رکعتیں کیوں واجب کی گئیں۔ اس طرح اور بہت سے احکامات جو ہین ان کی علت بیان نہیں ہوئی۔ تو نہ بیان کرنے کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ بچوں سے بہت سی چیزیں چھپائی جاتی ہین۔ اور اس لئے چھپائی جاتی ہیں کہ اگر باہر کہیں وہ باتیں نشر ہوگئیں تو نہ معلوم کتنے قسم کے فسادات رونما ہو جائیں۔ لہٰذا اب رہ گئی یہ بات کہ کسی چیز کا جاننا نہ جاننے سے اچھا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا نہ جاننا، جاننے سے بہتر ہے۔ ہمیں کب موت آئے گی، اس کا نہ جاننا ہی اچھا۔ کیونکہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ پانچویں روز آئے گی تو آج ہی مرجائیں گے۔ کوئی کام بھی نہ ہو سکے گا۔ اس لئے اس کا نہ جاننا ہی اچھا ہے۔ ایسی مثال ایک نہیں ہے۔ اگر ایک آدمی کو معلوم ہوجائے کہ وہ جہنم میں جائے گا، تو وہ کہے گا کہ جہنم میں تو جانا ہے پھر کیوں برائی چھوڑی جائے؟ کسی کو یہ معلوم ہوجائے کہ وہ جنت میں جائے گا، تو وہ سمجھے گا کہ اب اس کے بعد کسی نیک کام کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تو بہت سی چیزیں وہ ہیں کہ جن کا نہ جاننا ہی اچھا ہے۔ تو حضور والا چونکہ نہ جاننا اچھا ہے۔ بعض چیزوں کا، لہٰذا خدا نے بھی یہی کیا کہ بعض چیزوں کو پوشیدہ کردیا۔ یعنی ان کی علتوں کو، تاکہ نہ جانی جائیں۔

میں صرف یہ چاہتا تھا آپ کی خدمت میں عرض کرتا کہ پروردگار عالم یہ کہتا ہے کہ دیکھو، تم حق کو تلاش کرو۔ اور جب حق مل جائے، تو اپنی خواہش کو حق نہ بتاؤ، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی یہی ہوتا رہا ہے۔ مگر آج کل یہ بہت زیادہ ہے۔ پہلے بھی حکومتوں کو ضرورت پڑی تھی۔ وہ اس طرح سے کیا کرتی تھیں۔ بلکہ اب بھی جب حکومتوں کو ضرورت پڑتی ہے، تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور ہوتا رہے گا۔ کیونکہ حکومت جو ہے وہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس جگہ پہنچنے کے بعد، پھر اس امر کی ضرورت باقی نہیں رہتی، کہ یہ چیز حق ہے یا ناحق۔ حق وہی چیز قرار دی جاتی ہے کہ جس کو حکومت چاہتی ہے۔ اور اس میں پچاسوں باتیں پیدا کر لی جاتی ہیں۔

مجھے نہ تو حکومتوں کے طرز عمل پر نکتہ چینی کرنی ہے اور نہ کسی اور پر، مجھے تو آپ کے سامنے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ پہلے حق کو معلوم کیجئے اور اس کے بعد کوشش کیجئے، اس بات کی کہ آپ کی خواہش اس کے پیچھے ہو جائے۔

اب میں اس کو ایک دوسرے طریقے سے عرض کرتا ہوں۔ حق کس طرح سے معلوم کیا جائے گا؟۔ کیا آپ حق اس طرح سے معلوم کریں گے کہ ایک پڑھا لکھا آدمی کہہ دے؟ رسول اللہ کی حدیث ہے کہ علم جو ہے وہ یا گمراہ کرتا ہے یا ہدایت کرتا ہے۔ معلوم نہیں اس وقت جو علم ہے وہ کس طرف لے جا رہا ہے۔ کیونکہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں مذہب میں عالم نہیں ہیں۔ ہر مذہب میں عالم ہیں۔ عیسائیوں میں بھی عالم ہیں۔ یہودیوں میں بھی عالم ہیں۔ تو یہودیوں کے عالم جدھر جا رہے ہیں، وہ حق ہے؟ کیوں نہیں حق ہے؟ جب عالموں پر ہی انحصار کر لیا جائے کہ وہ جدھر جا رہے ہیں ادھر ہی حق ہے تو اب بتلائے کہ یہودیوں کے عالموں کی پیروی کی جائے یا مسلمانوں کے عالموں کی؟ دونوں عالم ہیں۔ مگر ان میں سے ایک یقیناً بھٹکا ہوا ہے۔ تو علم کے لئے یہ

ضروری نہیں کہ وہ حق ہو ۔ میری مراد اس علم سے ہے جو ہمیں حاصل ہوتا ہے ۔ اس لئے پہلے سے کچھ اصول مقرر ہونے چاہئیں ۔ ان اصولوں پر کاربند ہونے کے بعد اب ان لوگوں کو تلاش کیا جائے کہ جو سر سے پاؤں تک حق ہی حق ہیں ۔ ایک شخص کی رائے اگر ایک مرتبہ غلط ہو چکی ہے ' تو پھر دوسری مرتبہ اس پر یقین کر لینا کہ دوسری رائے جو دی ہے یہ یقیناً حق ہوگی ۔ میرے خیال میں عقل اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتی ۔ ہو سکتا ہے کہ حق ہو ' لیکن یقینی حیثیت سے اس کو حق قرار دینا بڑی بھاری غلطی ہوگی ۔ صبح اگر ایک شخص نے جھوٹ بولا ہے ۔ تو شام کو اگر سچ بھی کہتا ہو تو اعتبار نہیں ہوتا ۔ اس لئے کہ اس کا جھوٹ معلوم ہو چکا ہے ۔ صبح اگر کسی نے گناہ کیا ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شام کو محفوظ رہے گا ۔ یہی وجہ ہے کہ پروردگار عالم نے جن کو منتخب کیا اور ہادی بنا کر بھیجا ' وہ اس کے معصوم بندے تھے ۔ اور یہ اس لئے کہ جب ان کی عصمت کا اعتبار آجائے تو وہ جو کچھ کہیں ' اس پر عمل کیا جائے ۔ ہادی کی عصمت کا یقین پیدا ہو جانے کے بعد عبادت ہوگی وہ اطمینانی حیثیت سے ہوگی ۔

پروردگار عالم نے ان کی مذمت کی ہے کہ جو شک کی حالت میں عبادت کرتے ہیں ۔ عبادت' وہ عبادت ہے جو یقین کے ساتھ ہو ۔ اب اگر بتلانے والا ایسا ہے ' کہ جس پر خود شک ہے کہ یہ صحیح بھی بتلاتا ہے یا نہیں ' تو اس کے کہنے پر جو عبادت ہوگی ' کیا وہ یقینی عبادت ہوگی ؟ راستہ دکھانے والے پر اگر شک ہو کہ یہ خود بھی سیدھا چل رہا ہے یا نہیں ' تو آپ اگر اس کی پیروی کریں گے تو اس شک کے بعد اس راستے کے درست ہو جانے کا یقین ہو جائے گا آپ کو ؟ اگر کسی نے کہہ دیا کہ نماز یوں پڑھو ' اب کہنے والا خود مشکوک ہے ' اور آپ جانتے ہیں کہ یہ غلطیاں بھی کر جاتا ہے ۔ تو پھر انصاف سے بتلائے کہ جس نے یہ کہا ہے کہ نماز یوں پڑھو ' اس کے اوپر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے ۔ اور جب تک یہ

یقین نہ ہو، نماز کس طرح یقینی ہوگی، اب ان عبادات کے لئے یقینی ہونا، بس اسی پر موقوف ہے کہ بتلانے والا یقینی ہو۔ وہ ایسا ہو جس کے متعلق یہ یقین ہوچکا ہو کہ جو کچھ کہے گا۔ کبھی غلط نہ کہے گا۔ اسی وجہ سے پروردگار نے جب بھی نبی بھیجے، تو معصوم بناکر بھیجے۔ کوئی شخص ان کے متعلق کبھی یہ نہ کہہ سکا کہ انہوں نے فلاں وقت یہ کام کیا تھا آج یہ کہہ رہا ہے۔ قرآن مجید میں اول سے آخر تک دیکھا جائے نبیوں کا تذکرہ ہے نا۔ جب قوم کی طرف آئے، وہ ہدایت کرنے کے لئے تو کوئی شخص یہ نہ کہہ سکا کہ تم نے فلاں دن یہ کام کیا تھا آج یہ کہہ رہے ہو۔ فلاں وقت تو تم سے یہ غلطی ہوئی تھی، آج ہم سے کہہ رہے ہو کہ بت کے سامنے سجدہ نہ کرو۔ کل تو تم خود سجدہ کر رہے تھے۔ بلکہ یہ کہہ دیا کہ یہ جادوگر ہے یا یہ کہ اس کے قبضے میں کوئی جن ہے۔ تو جتنے بھی نبی آئے ان کے متعلق کوئی یہ نہ کہہ سکا کہ دیکھو فلاں وقت تم نے یہ برائی کی تھی۔ یا یہ جھوٹ بولا تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اتنے سچے تھے کہ یہ کہنے کا قوم کو موقع ہی نہیں دیا۔ اتنا یقین تھا تو چاہئے تھا کہ مان لیتے۔ ماننے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا یہی ہوا کہ ساحر کہہ دیا مجنون کہہ دیا۔ خوہشات کا غلبہ تھا، خواہش نہیں چاہتی تھی کہ ان کو مانا جائے۔ عمداً انکار کر رہے تھے۔ ظلم کی وجہ سے یا تکبر کی وجہ سے، یا یہ خیال تھا کہ اب جو ہمارے سر ابھرے ہوئے ہیں، پھر اس کے سامنے جھکیں گے لہٰذا خواہ مخواہ اس پر ظلم کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ دل میں سمجھتے تھے کہ یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ معلوم ہوا یہ خواہشات نفس ہی ہیں جن کی وجہ سے انکار ہوتا ہے۔ ورنہ قرآن مجید تو کہہ رہا ہے کہ اندر سے یہ مانتے ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ غلط کہہ رہا ہے۔

جناب رسالت مآبؐ نے جب، پہلی مرتبہ آپ پر وحی نازل ہوئی۔ تو آپ نے قوم کو جمع کیا آواز دی کہ آؤ میری باتیں سنو، میں تم سے کچھ کہنا چاہتا

ہوں - لوگ جوق در جوق چلے آئے - آپ نے فرمایا " یہ بتلاؤ کہ تم نے کبھی مجھے ایسا دیکھا ہے کہ میں نے کبھی کوئی بات جھوٹ کہی ہو - کبھی ایسا دیکھا ہے کہ میں نے تم پر ظلم کیا ہو - میں نے کسی کی امانت میں خیانت کی ہو " سب نے کہا کہ کبھی ایسا انہیں ہوا - فرمایا میں اگر ایسا کہہ دوں تم سے کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج آئی ہوئی ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے تو کیا تم سچ مانو گے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم یقین کرلیں گے کہ تم سچ کہہ رہے ہو - پھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب یہ یقین کر سکتے ہو تو پھر سنو ' میں کہتا ہوں کہ خدا نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے - اب مان لو اسے - تو چونکہ خواہشات نفس کے خلاف تھی یہ چیز - منہ پھیر کر چلے گئے - اور گھر جاکر بجائے اس کے کہ جناب رسالت مآب ؐ کی اطاعت کرتے ' اور ان چیزوں کو تسلیم کر لیتے جو آپ کہتے تھے ' آپ کے قتل کے درپے ہوگئے - یہ کیا چیز تھی ' صرف خواہشات نفس ہی تو تھیں نا - اس لئے ارشاد فرمایاہ کہ خواہشات نفس کے پیچھے نہ چلنا - حق کو تلاش کر لینا -

اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ حق کو جان کر کہ یہ حق ہے لوگوں نے چاہا کہ یہ ہماری خواہشات کے پیچھے چلے - مگر جو حق ہے وہ تو ہے ہی حق ' وہ باطل تو بن ہی نہیں سکتا ' دیکھئے سفید چیز سرخ ہوسکتی ہے اور سرخ چیز سفید ہوسکتی ہے - لیکن سفیدی تو سرخی نہیں بن سکتی - یا سرخی تو سفیدی نہیں بن سکتی - ٹھیک ہے یا نہیں - انقلاب حقیقت محال ہے - عالم جاہل ہوسکتا ہے اور جاہل عالم ہوسکتا ہے - لیکن علم تو جہل نہیں ہوسکتا اور جہل تو علم نہیں بن سکتا یہ دو حقیقتیں ہیں الگ الگ - ایک حقیقت منقلب ہوکر دوسری بن جائے ' جو اس کے متضاد چیز ہے یہ کیسے ممکن ہے - عقلاً محال ہے - اے میرے بزرگو ایک شخص ہے حق پرست ' وہ باطل پرست ہو سکتا ہے - اور باطل پرست حق پرست بن سکتا ہے - لیکن حق تو باطل نہیں بن سکتا اور باطل حق نہیں ہوسکتا - تو جب یہ

دونوں ایسی چیزیں ہیں ، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے چلے جائیں ۔ اگر حق باطل کے پیچھے چلے تو حق باطل ہوگیا ، اور اگر حق کے پیچھے چلے باطل، تو باطل حق ہو جائے گا۔

پروردگار عالم فرماتا ہے کہ خواہشات ہیں تمہاری باطل ۔ یعنی مادی خواہشات ہیں باطل ۔ تم کبھی نہ سوچنا کہ حق ان کے پیچھے چلے گا ۔ کبھی نہیں چلے گا ۔ دیکھئے جہاں تک حق تھا نا ۔ حق تھا ۔ جب اس کے سامنے حکومتیں پیش کی گئیں اور کہا گیا کہ یہ حکومت لے لو ۔ اور ایسا کرو انہوں نے دیکھا کہ اب حقیقت کا انقلاب ہوگا ۔ لہٰذا ٹھوکر مار دی ۔ کہ اس کی ضرورت نہیں ہے ۔ یہ حق جو ہے وہ باطل نہیں بن سکتا اور باطل جو ہے وہ حق نہیں بن سکتا ۔

حضور ! ذرا غور فرمائیں ، ایک مسئلے میں جالینوس کچھ کہتا ہے ۔ ارسطو کچھ کہتا ہے ۔ ایک تیسرا شخص اگر اٹھے اور اس نے الگ سے ایک قول نکال لیا ، تو ہمیں تو کسی کے اوپر اعتبار نہیں ہے ، ہم خود اتنے ہو جائیں ، جتنے یہ ہیں ، تو اس وقت ان کے دلائل کو اچھی طرح سے غور و خوض کر کے اور پھر یہ نتیجہ نکال سکیں گے کہ ان میں حق کون کہہ رہا ہے ۔ اور اگر ہم چھوٹے ہیں ان سے ۔ تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب ایک ہی لڑی کے موتی ہیں ۔ چاہے انہیں جھوٹا موتی کہہ لو یا سچا موتی کہہ لو ۔ مگر ہیں ایک ہی لڑی کے ۔ تو اب ان میں ایک یقیناً قابل اعتبار نہیں ہے ۔ تو دوسرے پر کیوں کر اعتبار ہوگا ۔ جالینوس نے اگر یہ کہہ دیا کہ اس مسئلہ میں یہ قول حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ ارسطو جب ویسا ہی ہے تو اس کے قول پر اعتبار نہ کیا جائے ۔

ان الفاظ میں بہت سی چیزیں پنہاں ہیں ۔ اگر الفاظ ذہن میں رہیں گے تو کسی نہ کسی وقت کام آجائیں گے ۔ اصحاب رسول میں آپس میں مار پیٹ بھی ہوئی گالی گلوچ بھی ہوئی ، قتل و غارت بھی ہوا ۔ آخر جناب اصحاب ہی تھے نا ۔

اِن میں بدر والے بھی تھے ۔ جن کی بڑی تعریف ہے ۔ آخر حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا یا نہیں ؟ اب ان کے اقوال اور ان کے افعال کو دیکھئے ۔ کیا کیا جائے ۔ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا ۔ اسی طریقے سے ایک کہتا ہے کہ اے معزول کر دو ۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں نہیں معزول کروں گا ۔ اب یہ اختلاف ہے ۔ بتلائے کہ اب کیا کیا جائے ۔ اندھی تقلید تو نہیں ہو سکتی ہے ۔ اصولی حیثیت سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ جو کہہ رہا ہے اس کے متعلق اطمینان ہے یا نہیں ۔ کہ یہ جب بولتا ہے صحیح بولتا ہے ۔ اگر یہ اطمینان ہو جائے تو پھر اس کی طرف آپ بلا تکلف ہو جائیں ۔ اور اگر یہ اطمینان نہیں ہے تو اس کے کہنے پر جتنے اعمال و عبادات ہوں گے وہ یقینی نہ ہوں گے ۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم کہ انسان کا کمال یقینیات پر منحصر ہے ۔ مشکوکات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔ اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ دیکھو یہ حکما جتنے ہوئے ۔ ان میں کبھی اتفاق نہ ہوا ۔ کسی نظری مسئلے میں ۔ آج دیکھ لیجئے ، کتنے نظریئے اب تک بن چکے ہیں اور کتنے غلط ہو چکے ہیں ۔ یہ سائنس کے نظریئے کتنے بنے اور اس کے بعد ان میں کس قدر تغیرات ہوئے ۔ ایک آتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ غلط تھا ۔ اصل حقیقت یوں ہے ۔ اس کے بعد ایک تیسرا کچھ اور کہتا ہوا آتا ہے ۔ کیوں میرے بھائیو ۔ اب ہم ایک نظریئے کو مان کر ایمان لے آئیں ، اور اسے اسلامی عقیدہ قرار دے دیں ۔ یہ بات درست ہے ؟ کبھی نہیں ، جب تک کہ اس شخص کی زبان سے نہ نکلے جو عین حق ہو ۔ تو اب ہمیں ایسے آدمی کی تلاش کی ضرورت پڑے گی جو عین حق ہو ۔

اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یا خدا کہہ دے ۔ یا رسولؐ کہہ دیں ۔ قرآن حق ہے یا نہیں ہے ؟ ۔ یقین ہو چکا ہے کہ حق ہے ۔ کیونکہ برحق نبی نے کہا ہے کہ یہ خدا کی کتاب ہے ۔ اب اسی نبی نے یہ کہا ہے کہ وہ شخص قرآن

کے ساتھ ہے اور قرآن اس شخص کے ساتھ ہے۔ جس کے لئے کہا' اب اگر وہ کہے گا کوئی بات تو' اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن نے کہا۔ جب قرآن نے کہا تو وہ عین حق ہے۔ میرے بزرگو! رسول اللہ فرماتے ہیں۔ **علی مع القران والقران مع علی** علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ بتائیے حق معلوم ہوگیا یا نہیں۔

ذرا اس پر بھی غور کرلیں۔ ایک ایسا شخص ہے جس میں ہم نے کوئی برائی نہیں دیکھی۔ ہمارا نہ دیکھنا کیا اس امر کی دلیل ہے کہ اس میں برائی نہ ہوگی؟ لہٰذا ایسا آدمی بھی قابل اعتبار نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ ہم نہ جانتے ہوں اس کی برائیاں۔ یہی تو وہ چیز ہے۔ جس کے بارے میں ارشاد ہوا" خبردار ان کی طرف مائل نہ ہوجانا' جنہوں نے غلطیاں کی ہیں۔ اگر تم مائل ہی ہوگئے۔ ممکن ہے کل تمہیں گناہ میں ملوث کردیں۔"

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا متمسکم النارہ

لہٰذا اب کس کی طرف مائل ہونا چاہئے؟ اس کی طرف جو خود گناہ نہ کرے۔ اور اسی کو ہم معصوم کہتے ہیں۔ اور اسی کے متعلق یہ یقین ہو سکتا ہے کہ وہ جو کچھ کہے گا' حق کہے گا۔

جناب رسالت مابؐ ارشاد فرماتے ہیں جو حدیث کی بڑی بڑی کتابوں میں درج ہے علی مع الحق والحق مع العلی۔ اب اگر کسی وقت یہ حق سے ہٹ جائیں تو اس کا مطلب ہے کہ رسول کی نبوت بھی گئی۔ سارا ایمان بھی گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ ہم جو ایمان لائے رسولؐ کی نبوت پر تو پہلا قدم ہمارا غلط ہوا۔ اور اگر درست تھا پہلا قدم تو یہ ماننا پڑے گا کہ جس کے بارے میں رسولؐ نے کہہ دیا' وہ اگر دن کو رات کہہ دے تو سمجھو کہ حق ہے۔ اور ایک ایسا شخص کہ جس کے متعلق رسولؐ نے یا خدا نے نہیں کہا تو وہ اگر دن کو دن بھی کہے تو

بعض اوقات شک کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ میں نے ایک بات کہہ دی۔ آپ سے کہ دن کو دن کہہ دے۔ یہ کیوں کہا' یہ اس لئے کہا کہ بہت سے مشاہدات اکثر غلط ہو جاتے ہیں۔ یعنی آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزیں بھی اکثر غلط ہو جاتی ہیں۔

حوض میں ایک لکڑی ڈالیے۔ وہ ترچھی معلوم ہوگی۔ یا لمبائی سے کم معلوم ہوگی۔ اب چونکہ خود ڈالی ہے۔ اس لئے آپ سمجھ رہے ہیں۔ کہ نگاہ غلطی کر رہی ہے اب اس غلطی کو ڈھونڈنے کے لیے عقل کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اور عقل سائنس کی روشنی میں بتاتی ہے کہ انعطاف نور کی وجہ سے کبھی کبھی سراب سے وہ جو صحراؤں میں ریت پانی کی مانند نظر آتی ہے نظر انسانی دھوکا کھا جاتی ہے۔ اس کو چھوڑیئے ریل میں بیٹھ جائیں۔ ایک اِدھر کھڑی ہے گاڑی ایک اُدھر کھڑی ہے۔ ادھر کی گاڑی چلنی شروع ہوئی۔ یہاں ہم بیٹھے ہوئے سمجھتے ہیں کہ ہماری گاڑی چل رہی ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ مشاہدات ہی تو ہیں نا جو غلط ہو رہے ہیں۔

جب مشاہدات میں یہ احتمالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو اے میرے بھائیو! اب ذرا بتلاؤ کہ ایسے لوگوں کے اقوال میں کس طرح یقین ہو سکتا ہے کہ جن سے ایسی چیزیں بھی ہو چکی ہیں کہ جو عقل کے نزدیک غلط ہیں ان سب خدشات کا فقط ایک ہی حل رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ ہمارا ہادی وہ شخص ہو کہ جس کے متعلق یہ یقین ہو جائے کہ جو بات نکلے گی اس کی زبان سے وہ حق ہو گی۔ تو یہ وہی ہو سکتا ہے کہ جس کو خدا نے یا رسول نے کہہ دیا ہو کہ حق اس سے کبھی جدا نہیں ہو گا اور یہ حق سے کبھی جدا نہیں ہو گا۔

سنو اور غور سے سنو! رسول اللہ ؐ ہاتھوں پر اٹھا کر یہ کہہ رہے ہیں کہ علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ ہے خدایا حق کو ادھر لے جانا جدھر علی

جا رہے ہوں ۔ اس آیت کریمہ میں یہ کہا جا رہا ہے کہ حق آگے رہے تم پیچھے رہو اور رسولؐ یہ دعا کر رہے ہیں کہ حق ادھر جائے جدھر علی جائیں ۔ تو معلوم ہوا کہ حق چونکہ باطل نہیں ہو سکتا ۔ لہٰذا جس کے لیے دعا کر رہے ہیں ۔ وہ وہ ہے کہ عین حق ہے ۔ وہ جو راستہ اختیار کرے گا وہ وہی ہو گا جو حق اختیار کرنے والا ہو گا اور یہ مبالغہ اس لیے اختیار کیا گیا کہ دنیا کو اطمینان ہو جائے کہ علیؑ وہ ہے جو سر سے پاؤں تک حق ہی حق ہے ۔

میں کہتا ہوں ان چیزوں کو نہ مانیں تب بھی مصیبت ہے اور مانتے ہیں تو بعض لوگ ہم سے خفا ہو جاتے ہیں خیر بہرحال دنیا ہم سے خفا ہو مگر رسولؐ خفا نہ ہوں ۔ خدا خفا نہ ہو ۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں یا رسول اللہؐ ! علیؑ کے پیچھے حق چل رہا ہے تو اگر ہم بھی اس کے پیچھے چلے تو اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جب علی امام ہیں اور پیچھے مامومین میں حق اور ہم ہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم حق کے ساتھ ہوں گے اور حق ہمارے ساتھ ہو گا ۔ دونوں ایک امام کے ماموم ہیں ۔

جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بت توڑنے کے لیے امیر المومنین کو کاندھوں پر سوار کیا تھا نا تو کسی نے کہا تھا یا رسول اللہؐ یہ کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا تھا ، کہ علی کار حق می کند و من بار حق می کشم میں حق کا بوجھ اٹھا رہا ہوں اور علی حق کا کام کر رہے ہیں ۔ تو یہ بوجھ کس کا تھا ۔ علی کا تھا نا ۔ تو یہاں پر عین حق کہہ دیا ۔

ارشاد ہوتا ہے اگر حق خواہشات کا اتباع کر لے تو آسمان و زمین فاسد ہو جائیں یہ جو عین حق تھا اس سے کہا کہ دیکھو اتنی سی بات مان لو ۔ امیر المومنین نے کہا بس یہی تو نہیں مانتا ۔ حضور والا اتنی بڑی حکومت کو چھوڑ دیا تو جس چیز کو نہیں مان رہے تھے ۔ وہ حق نہ ہو گی نا ۔ بالکل واضح سی چیز ہے ۔

کبھی ایسا ہوتا ہے۔ آپ حضرات میرے حالات سے کچھ واقف نہیں۔ میں ظاہری حالات کی بات نہیں کر رہا، ہو سکتا ہے آپ نے مجھ سے کوئی برائی نہ دیکھی ہو۔ لیکن میرے اصل حالات سے واقف جو ہیں وہ میرے گھر والے ہیں آپ سے تو چند منٹوں یا گھنٹوں کے لیے ملاقات ہوتی ہے۔ اپنے نقائص آپ سے تو چھپا سکتا ہوں، اپنے گھر والوں سے تو نہیں چھپا سکتا۔ لہٰذا اگر گھر والوں سے پوچھا جائے اور وہ یقین کے ساتھ گواہی دے دیں کہ یہ گھر میں ایسا ہی ہے جیسا باہر، تو پھر لوگوں کو زیادہ یقین ہو گا۔ اب آپ یوں سمجھئے کہ بعض اوقات ضرورت پڑتی تھی۔ انبیاء کرام کو اپنے صدق اور حقانیت پر روشنی ڈالنے کے لیے تو ایسے لوگوں کو نوکر بھی رکھ لیا جاتا تھا کہ جو حقیقت میں بہی خواہ نہیں ہوتے تھے۔ اور لوگ ان کی اس فطرت سے واقف ہوتے تھے۔ یہ کیوں ؟ یہ اس لیے کہ ان سے جب پوچھا تو یہ وہی کہہ دیں کہ ویسے ہی ہیں گھر میں جیسے باہر ہیں۔ یعنی اگر باہر جھوٹے نہیں ہیں تو گھر میں بھی جھوٹے نہیں ہیں۔ ایسی ضرورتیں انبیاء و مرسلین کو کبھی کبھی پڑ جاتی تھیں۔ تاکہ ان کے حقیقی حالات سے دنیا آگاہ ہو سکے صرف اتنا اشارہ کر کے اس چیز کو اب ختم کر رہا ہوں۔

اور اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس مسئلے کو آخری وقت میں پھر حل کیا۔ اور اس طرح سے حل کیا، کہ دنیا میں اتنی شہرت ہوئی کہ آج اس کو کم از کم پچاس طریق سے دنیا نے روایت کیا۔ اور وہ یہ کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ دیکھو میں جا رہا ہوں اور دو وزنی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک میری عترت میرے اہل بیت اور دوسری چیز کتاب اللہ ہے۔ انسان جب گناہ کرتا ہے تو ایمان اس سے الگ ہو جاتا ہے یہ حدیث رسولؐ ہے۔ یعنی ایمان جو ہے وہ ساتھ نہیں ہو سکتا ہے نافرمانی خدا کے وقت۔ مثلاً جب کوئی شراب پیتا ہے۔ ایمان الگ ہو جاتا ہے۔ جب وہ توبہ کرتا

ہے تو پھر آجاتا ہے۔ اسی طریقے سے جب کوئی دوسری بدکاری کرتا ہے۔ تو ایمان الگ ہو جاتا ہے۔ اے میرے بزرگو اگر کوئی جھوٹ بولے گا تو ایمان اس طرح سے الگ نہیں ہو جائے گا۔ ہو جائے گا نا۔ اب جن لوگوں کو رسول اللہؐ قرآن کے ساتھ کر رہے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ فرما رہے ہیں کہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی دونوں میں جدائی نہیں ہو گی۔ یعنی ایک سیکنڈ کے لیے بھی اہلبیت نے سوائے قرآن کے اور کوئی چیز نہیں لی۔ کتنی واضح سی چیز ہے۔

اگر اتباع کر لے حق ' لوگوں کی خواہشات کا تو زمین و آسمان فاسد ہو جائیں ان الفاظ میں گنجائش ہے کہ دو مطلب نکل سکیں۔ ایک یہ کہ حق کبھی لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہیں کرے گا۔ اور دوسرا مطلب یہ نکل سکتا ہے کہ خواہشات مردم کی پیروی نہیں کرے گا۔ کسی اور کی تو پیروی کر سکتا ہے نا۔ اب اگر دوسرا مطلب لیں اور کہیں کہ کسی اور کی پیروی کر سکتا ہے۔ تو رسول اللہؐ نے توضیح فرما دی کہ علیؑ اتنے حق ہیں کہ حق بھی اگر پیروی کرے گا تو علیؑ ہی کی پیروی کرے گا اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ علیؑ میں خواہش ہے ہی نہیں۔

اب ایک نفسیاتی مسئلہ پیش کرتا ہوں انسان میں خواہشات تو ہیں بہرحال جب زندہ ہے تو کچھ نہ کچھ خواہشیں ہیں ہی۔ جب خواہش نفس کو یہ نکال دے گا۔ یعنی جب خواہشات مادی اس سے نکل گئیں ' تو پھر جو خواہش ہو گی وہ صرف خواہش خدا ہو گی ' اور جب خواہش خدا ہو گی ' تو اس کے بعد ایک ہو جائے گی خدا کی خواہش ' اور اس کی خواہش ' لہٰذا جو کچھ یہ چاہے گا۔ وہ وہی ہو گا جو خدا چاہے گا یہ ہے وہ مطلب **وما تشاون الا ان یشا اللہ** بعض حضرات سے خطاب ہے کہ جو تم چاہتے ہو وہ وہی چاہتے ہو جو خدا چاہتا ہے یعنی ان کی مشیت اور خدا کی مشیت ایک ہے۔ اور یہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد علیہم جن کی شان میں یہ سورہ دھر نازل ہوا ہے۔

اے میرے بزرگو اب ایسی نصوص کے بعد، کسی کا ان پر اعتراض کرنا یہ، یہ ان پر اعتراض نہیں ہے، بلکہ خدا اور رسول پر اعتراض ہے، مثلاً رسولؐ نے فرمایا۔ یہ میرے دونوں فرزند امام ہیں۔ کھڑے ہوں تب امام ہیں، بیٹھے ہوں، تب امام ہیں یعنی میدان جنگ میں جائیں، تب امام ہیں اور صلح کر کے بیٹھ جائیں، تب امام ہیں، قرآن ان سے الگ نہیں، یہ قرآن سے الگ نہیں، میدان میں جائیں گے تب بھی حق ہیں اور اگر گھر میں بیٹھے ہوں گے تب بھی حق کے ساتھ ہوں گے۔ اب اگر کوئی معترض ہو گا، تو وہ ان پر اعتراض نہیں کر رہا، بلکہ خداوند عالم اور اس کے رسولؐ پر اعتراض کر رہا ہے۔

یہ اتنے بلند تھے، اتنے پاک وہ منزہ تھے یہ حضرات، کہ قید کر دیئے گئے اور قید کرنے والوں کو بہانہ نہ مل سکا کہ کیوں قید کیا۔ میں جب یہ چیز سوچتا ہوں تو متحیر ہو جاتا ہوں کہ ایک سے لے کر گیارہ تک سبھی قریب قریب قید میں رہے۔ سبھی شہید کئے گئے۔ جو باقی رہ گیا وہ اس لئے باقی رہ گیا کہ خدا نے لوگوں کی آنکھوں سے دور کر دیا۔ جن کو زہر دیا گیا، آج تک زہر دینے والوں کے دامن کو صاف کرنے کی دنیا کوشش کر رہی ہے۔ یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ دنیا سمجھتی ہے کہ اگر یہ ثابت ہو گیا تو پھر وہ اچھے نہ سمجھے جائیں گے۔

امام حسینؑ کا اتنا بڑا دشمن یزید، مگر آخر میں مجبور ہو کر اسے بھی دربار میں کہنا پڑا۔ خدا لعنت کرے ابن زیاد پر اس نے حسین کو قتل کر دیا۔ میں نے تو کبھی نہیں کہا تھا۔ اور ایک دن وہ تھا کہ دربار میں فخر سے کہہ رہا تھا کاش میرے وہ بزرگ ہوتے، جو بدر میں مارے گئے تو مجھے دعائیں دیتے کہ یزید خدا تیرا بھلا کرے کہ تو نے ہمارا بدلہ لے لیا۔ شراب پیتا جاتا ہے امام حسینؑ کے سر مبارک سے بے ادبی بھی کر رہا ہے۔ ہاتھ میں ایک بید ہے جو دندان مبارک کو لگا رہا ہے۔ ذرا طہارت کی بلندی ملاحظہ فرمائیں۔ اسی دربار میں قتل حسینؑ کا الزام ابن زیاد کے سر تھوپنے پر مجبور ہو گیا۔

کون پوچھتا اس سے کہ اگر تو نے قتل نہیں کرایا تو ان سیدانیوں کو قید کس نے کرایا سر برہنہ بازاروں اور دربار میں کون لایا یہ جو رسول زادیاں تھیں ان سے جو دربار اور قید خانے میں واقعات ہوئے وہ سب اسی کے حکم سے ہوئے لوگ اس کے صرف اس کہنے پر کہہ دیتے ہیں وہ تو بے قصور ہے۔ وہ تو کہہ رہا تھا کہ میں نے تو قتل نہیں کرایا۔ خیر بہرحال ایسا بھی ہوتا آیا ہے زمانے میں۔

یہ کبھی نہ چھوڑتا اھل بیت کو مگر یہ مجبور ہو گیا۔ اسے یہ پتہ نہ تھا کہ جو اسے پہلے خلیفہ رسول سمجھتے تھے اب وہ بھی اس کو شیطان سمجھنے لگیں گے حالت یہ ہو گئی کہ دمشق میں بیٹھی ہوئی عورتوں تک جب یہ خبریں پہنچیں۔ کہ یہ جو قید ہو کر بی بیاں آئی ہیں' یہ تو فاطمہ کی بیٹیاں ہیں' تو ایک ہیجان برپا ہو گیا۔ ان کے مرد جب گھروں میں آتے تھے تو وہ ان سے کہتی تھیں' کہ بے غیرتوں تم نے اپنی ماں بہنوں اور بیٹیوں کو گھروں میں بٹھا رکھا ہے اور تمہارے رسولؐ کی نواسیاں بازاروں میں پھرائی گئی ہیں۔

یزید کو یہ خبریں پہنچیں کہ اب تو ایک انقلاب عظیم برپا ہونے والا ہے۔ تب چھوڑا اس نے۔ اور اس وقت چونکہ اب اس کی ضرورت پڑ گئی تھی سمجھ رہا تھا کہ دنیا مظلوم کی طرف دار بن گئی ہے فطری حیثیت سے بن جانا چاہیئے۔لہٰذا طرف دار بن گئی۔ اس لیے اس کو یہ کہنا پڑا کہ میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ قتل حسینؑ تو ابن زیاد نے کیا ہے۔

یہ بی بیاں جو قید ہو کر گئیں تھیں۔ معلوم نہیں کونسا دل تھا ان کے سینے میں کہ جو کچھ تکلیفیں پڑتی تھیں شکر ادا کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ جناب زینب کے متعلق تو یہ ہے کہ قید خانے میں بھی کوئی رات نماز تہجد قضا نہیں ہوئی۔ اللہ اکبر۔ ارے یہ بے کسی تھی جو شام تک چلی گئیں۔ آپ کو غالباً معلوم ہے یہ شام سے کربلا جو واپس آئی ہیں یہ تقریباً چودہ مہینے ہیں محرم کی ۱۱ تاریخ کو کربلا سے

گئیں ہیں اور بیس صفر کو واپس پہنچیں ہیں ایک مہینہ بیس دن یہ سمجھ لیجئے۔ اور ایک سال وہ تقریباً چودہ مہینے میں یہ قید سے چھوٹ کر آئی ہیں۔ قید سے چھوٹ کر۔ قید میں جو کچھ تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ وہ اس کے علاوہ تھیں۔ معلوم نہیں کونسا دل تھا۔ کسی بی بی کی زبان سے کبھی یہ نہ نکلا کہ ہم کب چھوٹیں گے۔

بس ایک واقعہ عرض کرتا ہوں کہ یزید نے کیا کیا مظالم کئے۔ وہ ہر وقت یہ سوچتا رہتا تھا کہ کن کن طریقوں سے ان بیبیوں کو روحانی صدمات پہنچاؤں۔ تا کہ یہ گھل گھل کر یہیں مر جائیں ایک دن اس کے دل میں خیال آیا اور اس خیال کے آنے کے بعد اپنے گھر گیا۔ شام کا وقت تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ "دیکھو صبح کو تم شاھانہ لباس پہننا اور کنیزوں کو بھی فاخرہ لباس پہنانا" بیوی نے پوچھا کہ کل کوئی عید ہے اس نے کہا " کچھ قیدیوں کو میں بھیجوں گا۔ تمہارے سامنے پیش ہوں گے۔ تا کہ ان کو اپنی حالت دیکھ کر اور تمہاری حالت دیکھ کر رنج ہو۔ ان کے دل کڑھیں اور وہ روحانی صدمہ اٹھائیں" اس کے دماغ میں یہ چیز نہیں آئی اگرچہ جانتی تھی کہ اہل بیت قید ہو کر آگئے ہیں۔ اور وہ ایک مرتبہ دربار میں نکل بھی آئی تھی۔ مگر وہ سمجھی شائد کوئی دوسرے قیدی آگئے ہوں۔

دوسرے روز حکم ہوا' یزید کا کہ اس کے دروازے میں حسینؑ کا سر لٹکا دیا جائے اور پھر قیدیوں کو لایا جائے۔ ایک سپاہی نے آکر کہا۔ زین العابدین تم یہاں رہو گے اور یہ جتنے قیدی ہیں' یہ سب حرم سرائے یزید میں پیش ہوں گے

آپ ذرا دلوں پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ بیبیوں پر کیا کچھ گذر گئی ہو گی۔ جناب زینب اٹھیں اور جناب زین العابدین سے لپٹ گئیں اور فرماتی ہیں۔ "بیٹا میں کبھی نہ جاؤں گی۔ میں ہرگز نہ جاؤں گی" امام زین العابدین نے فرمایا "

پھوپھی جان ہم قیدی ہیں دربار میں اس نے ہمیں پیش کیا اب اگر وہ حرم سرا میں بلا رہا ہے تو چلی جایئے۔ ہمیں بد دعا نہیں کرنی ہے۔ امام حسینؑ آخری وصیت میں یہ فرما گئے ہیں اور آپ کو یاد ہو گا "بہن جلال میں نہ آجانا" "اور بد دعا نہ کرنا" "ورنہ میری محنتیں برباد ہو جائیں گی۔" " جناب زینب مجبور کر زندان سے نکلیں۔ صبح کا وقت تھا۔ کچھ دن چڑھا ہوا تھا۔ بی بیاں ساتھ تھیں جناب زینب کو سب نے بیچ میں لے رکھا ہے۔ یہ قیدی جا رہے ہیں مگر کس عالم میں جا رہے ہیں، کہ قدم رکھتے ہیں کہیں اور پڑتا ہے کہیں۔

ادھر سے یہ قیدی چلے۔ اور ادھر سے قدرت نے دوسرا انتظام کیا۔ اس وقت یزید کی بیوی ھند سو رہی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے خواب میں دیکھا ایک کنیز دوڑتی ہوئی آرہی ہے اور یہ کہتی ہوئی آرہی ہے۔ کہ راستے سے ہٹ جاؤ' محمد مصطفیٰؐ کی بیٹی فاطمہ آرہی ہے۔ جب اس نے یہ آواز سنی وہ گھبرا کر ایک طرف ہو گئی۔ اب جو دیکھتی ہے' تو اس نے دیکھا کہ چند بی بیاں سیاہ پوش حلقہ کیے ہوئے ہیں۔ سر برہنہ' اور بیچ میں ایک بی بی ہیں۔ جو اپنے منہ پر طمانچے مارتی ہوئی آرہی ہیں۔ کہ **واحسینا وامظلوما**۔ یہ کہتی آرہی ہیں۔ اور جس وقت اس کے قریب آئیں۔ اسے پہچان لیا یہ کھڑی ہو گئی۔ سلام کیا اور پوچھا' میری شہزادی آپ یہاں کیسے آئیں۔ تو فرماتی ہیں میں تیرے پاس نہیں آئی۔ میری زینب آرہی ہے۔ میں اس کے لئے یہاں آئی ہوں۔

"فضائل قرآن مجید"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الم۔ ذالک الکتاب لا ریب فیہ

حضرات جیسا کہ آپ نے اشتہارات میں ملاحظہ فرمایا ہو گا۔ اس جلسے کا تعلق فضائل قرآن مجید سے ہے۔

فضیلت قرآن مجید کے لیے صرف اتنی سی بات کافی ہے کہ وہ معجزہ بن کر آیا۔ جتنی بھی کتابیں یا صحیفے انبیاء و مرسلین پر نازل ہوئے ان میں سے کوئی کتاب معجزانہ حیثیت سے نازل نہیں ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی گئی اور وہ زبرجدی تختیوں پر دست قدرت نے لکھ کر عطا کی۔ اتنی بڑی بڑی تختیاں زبرجد کی اور ان پر توریت لکھی ہوئی۔ اس کو آپ جو کچھ سمجھ لیجئے کہ زبرجد کی اتنی بڑی بڑی تختیاں نہیں مل سکتی ہیں۔ مگر وہ توریت بحیثیت معجزے کے نہیں تھی یعنی خود اس کے اندر یہ چیز نہیں تھے نہ یہ دعویٰ تھا کہ اس کا کوئی مثل نہیں لا سکتا۔

مگر قرآن مجید آیا اور اس حیثیت سے آیا کہ اس نے یہ دعویٰ کیا **ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ منھا او مثلھا** اگر تمہیں اس بات میں شک ہے کہ جو کچھ ہم نے نازل کیا ہے' وہ صحیح نہیں ہے' تو اب ایسا کرو کہ ایک سورہ ہی اس کے مثل لے آؤ۔

دیکھئے کتنی عجیب سی بات ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ

وسلم تشریف لائے' اور اعلان نبوت فرمایا' اور یہ سمجھ لیجئے' کہ جہاں جہاں بھی آپ کی آواز پہنچی ایک قسم کی آگ لگ گئی۔ طبیعتیں مشتعل ہو گئیں۔ اولاً حیران ہوئے۔ پھر اس کے بعد غصہ آیا' اور غصہ کی حالت میں ایک چیز تھی' جو ان کو روک رہی تھی' ورنہ وہ آپ کو قتل کر دیتے۔

جب آپ نے یہ اعلان کیا کہ یہ بت کچھ حیثیت نہیں رکھتے تم ان کی پوجا کرتے ہو۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ کیا تمہاری عقل اتنی بھی نہیں ہے کہ جن چیزوں کو تم خود بناتے ہو انہی کی پرستش کرتے ہو۔ اس قسم کی باتیں سننے کے بعد ان کے لیے بڑی معمولی بات تھی کہ وہ آپ کو قتل کر دیتے کیونکہ ساری دنیا میں عرب سے زیادہ سفاک قوم آج تک پیدا نہیں ہوئی۔ ان کی سفاکی کی مثالیں آج بھی آپ دیکھ رہے ہیں آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ چودہ سو سال ہو رہے ہیں۔ اسلام ان کی دماغی تربیت کرتا رہا مگر آج بھی ان کے حالات یہ ہیں کہ جو قاسم اور عارف نے مل کر شاہ فیصل کے ساتھ کیا اور پھر عارف نے قاسم کے ساتھ کیا۔ یہ ان کی اس زمانے کی تہذیب ہے۔ اتنی تربیت ہو جانے کے بعد۔ آپ ذرا اسی سے اندازہ کیجئے کہ چودہ سو سال پہلے یہ لوگ کتنے وحشی رہے ہوں گے۔ آپ نے اعلان نبوت فرمایا۔ تو لوگ یہ چاہتے تھے کہ آپ کو ختم کر دیا جائے۔ مگر اتفاق کی بات یہ تھی کہ جناب ابو طالب چونکہ سید بطحیٰ تھے اور سردار تھے تمام حجاز کے' اس لیے کسی کی جرات نہ ہوئی کہ آپ کے اوپر کوئی حملہ کرے۔ کبھی بچوں سے کہہ دیا کہ پتھر مارا کرو۔ کبھی عورتوں کو سکھلا دیا کہ جب گذرا کریں تو کوڑا پھینک دیا کرو۔ جب آپ نے یہ آیتیں سنانا شروع کیں تو لوگ متحیر ہو گئے تو اب اس کا توڑ ان کے پاس کچھ نہ تھا آپس میں مشورہ کرتے تھے۔ بھئی کیا کریں۔ یہ جو کچھ سناتے ہیں اس سے لوگ روز بروز متاثر ہو رہے ہیں آخر اس کا جواب کیا ہے اور کیا تدبیر کرنی چاہئے بعض یہ کہتے تھے کہ یہ کہا جائے

کہ جھوٹ بول رہا ہے' تو خود ہی آپس میں کہتے تھے کہ یہ بات چلے گی نہیں' تو پھر یہ کہا کہ اچھا یہ کہو کہ یہ مجنوں ہے۔ مجنوں کے معنی ہماری زبان میں تو دیوانے کے ہیں ۔ اصل میں جن زدہ کو مجنوں کہتے ہیں۔ جس پر کوئی جن آتا ہے وہ اسے بتلا بھی دیتا ہے اور اسی عالم میں وہ باتیں بھی کرتا ہے۔ کسی نے کہا کہ نہیں یہ نہ کہو بلکہ اسے شاعر کہو ۔ یہ ایک شاعر آدمی ہے ۔ جو تخیلاتی باتیں کرتا ہے ۔

یہ چیزیں ہوتی رہیں ۔ آخر کار پروردگار عالم کی طرف سے یہ آیت اتری کی دیکھو اگر تم اس بات میں شک کرتے ہو کہ یہ کلام خدا کا نہیں ہے تو ساری باتوں کو چھوڑو ۔ صرف ایک سورہ کا مثل کوئی سورہ لے آؤ ۔ دیکھئے کتنی عجیب سی بات تھی ۔ میں تو جب کبھی تصور کرتا ہوں اس کا ' مجھے انتہائی حیرت ہوتی ہے اس لیے کہ حالت یہ ہو چکی تھی کہ بنی ہاشم میں اور دوسرے قبیلوں میں کشت و خون ہونے والا تھا ۔ قریش کے قبائل اور دیگر عرب اس بات کی تیاریاں کر رہے تھے کہ بنی ہاشم کو مٹا دیں ۔ اس کشت و خون سے ان کو بچانے کے لیے کتنی آسان بات کہی گئی کہ بھئی تین چار آیتیں بنا کر لے آؤ ۔ تم بھی آخر عرب کے رہنے والے ہو ۔ تمہاری زبان بھی یہی زبان ہے' وہی کلمے اور وہی حروف ہیں ۔ تو کیا تم ایسا نہیں کر سکتے ہو ۔ رسولؐ کہتے ہیں کہ کلام خدا ہے اور تم کہتے ہو کہ ایسا نہیں ہے' تو پھر تم بھی ایسا بنا دو ۔ کوئی نئی زبان نہیں لائے ہیں وہی زبان ہے جو تمہاری زبان ہے۔ اور دیکھو تم کتنے فصیح و بلیغ ہو ۔ تمہارا سرمایہ افتخار جو کچھ ہے وہ صرف زبان ہے تم دوسروں کو عجمی یعنی گونگا کہتے ہو کہ یہ بول بھی نہیں سکتے ۔ خود کو عرب کہتے ہو' اگر تم اس کا مثل لے آؤ گے تو اس کی نبوت بھی ختم ہو جائے گی اور گھر میں گھٹ کر بیٹھ جائے گا، کسی کو منہ دکھلانے کے قابل بھی نہیں رہے گا ۔ دیکھئے کتنی آسان سی بات تھی ۔ نہ لڑائیاں ہوتیں نہ اور کوئی جھگڑے رہتے ۔ فیصلہ کرنے والے وہی لوگ۔ یعنی فیصلہ بھی تمہارے ہاتھ میں ہے ۔ تم

انصاف کر کے خود ہی بتلاؤ ۔ آیتیں جو یہ نبی پیش کر رہا ہے ۔ اس کا مثل لانے میں کتنے عاجز ہو ۔ اگرچہ تم بڑے **ابلغ البلغا** اور **افصح الفصحا** ہو ۔ میں اس زمانے کی فصاحت و بلاغت اگر بیان کروں تو خدا کی قسم دو چار گھنٹے تو اسی میں لگا سکتا ہوں ۔ پانچ چھ سال کی بچیاں وہاں کے کہنہ مشق شاعروں کے اشعار پر تنقیدیں کیا کرتی تھیں ۔ یہ عالم تھا کہ جس میں ہر شخص مست معلوم ہوتا تھا ۔ سال بھر میلہ ہوتا تھا اور میلے میں بڑی چیز یہ ہوتی تھی کہ سال بھر لوگ محنتیں کرتے تھے کہ دو چار شعر اچھے کہہ لیں تو وہاں جا کر سنائیں ۔ کسی نے کوئی قصیدہ کہا، سال بھر محنت کی اور پھر لٹکا دیا خانہ کعبہ کی دیوار پر ۔ ایک کتاب ہے جو طالب علموں کو پڑھائی جاتی ہے سبعہ معلقہ یعنی سات قصیدے جو لٹکائے گئے تھے ۔ تو اب فصاحت و بلاغت کا اتنا زور کہ ان سے بہتر کوئی فصیح و بلیغ ہو ہی نہیں سکتا ۔

اس فصاحت و بلاغت کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان سے پروردگار عالم نے ایک دعویٰ کروا دیا ۔ کہ دیکھو یہ ہے خدا کا کلام اور اگر تم نہیں مانتے ہو ۔ اور ایمان نہیں لاتے ہو تو لڑنے کی کیا ضرورت ہے تین چار ایسی آیتیں لے آؤ ۔ سب سے چھوٹی سورہ کیا ہے تین ہی تو آیتیں ہیں ۔ وہ بھی ذرا ذرا سی، تم بھی ایسی بنا لو جن میں یہ رنگ ہو ۔

عرب کی حمیت مشہور ہے ۔ وہ اپنے لیے مرجانے کا باعث سمجھتے تھے اگر کوئی طعن آمیز بات کرے ۔ حمیت جاہلیت مشہور ہے ۔ ان پر کتنی زبردست چوٹ ماری جا رہی ہے کہ گویا تم فصیح و بلیغ ہی نہیں ۔ تمہارا انکار اور جھگڑا بالکل بے معنی ہے ۔ تم جھوٹے تمہارے پتھر کے خدا جھوٹے ان تمام چیزوں کو مٹانے کے لیے کیا ان کے لیے یہ ضروری نہیں ہو گیا تھا کہ تین چار آیتیں لے آتے ۔ ایسے وقت میں نہ لا سکنا اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن مجید ظاہر اور واضح طریقے سے معجزہ تھا پروردگار عالم کا ۔

آپ نے توجہ فرمائی کہ قرآن مجید کی فضیلت کے لیے صرف اتنی سی بات کافی ہے کہ وہ یہ دعویٰ لے کر آیا۔ تحدی کرتا ہوا آیا کہ اگر تم سچے ہو تو اس کا مثل لے آؤ۔ قرآن پاک سے پہلے جتنی کتابیں آئیں وہ معجزانہ حیثیت میں نہیں آئیں۔ یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ پروردگار عالم کا جو کلام ہو گا وہ معجزہ ہو گا۔ معجزے کی ہر وقت ضرورت نہیں ہوتی۔ توریت میں' انجیل میں' زبور میں یہ دعویٰ نہیں کہ یہ معجزانہ حیثیت میں ہیں۔

دیکھئے قرآن پاک کی زبان سے یہ نکلنا کہ اس کا مثل لانے کے لیے اور لوگوں کو بھی جمع کر لو اور یاد رکھو کہ تم کبھی نہیں کر سکو گے۔ دشمن کی زبان سے نکلنا کہ کبھی نہیں کر سکو گے اس کے بعد دوسرا حریف اور بھی تیز ہو جاتا ہے کہ اب تو ایسا کرنا ہے۔ اگر تم نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکتے اور پھر جب نہیں کر سکو گے تو تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ تم غلطی پر ہو۔ باطل پر ہو اور جب اس پر اصرار کرو گے تو ڈرو کم سے کم اس آگ سے کہ جس کا ایندھن آدمی ہیں اور پتھر ہیں۔

ایک آدھ واقعہ اور عرض کر دوں پھر آگے بڑھوں۔ یہ جو میلے ہوا کرتے تھے ان کے کچھ نام بھی تھے۔ کچھ لوگ ان میلوں میں ایسے آتے تھے کہ جو اپنے کو سال بھر اس طرح مجمع عام میں کبھی نہیں پیش کرتے تھے۔ بلکہ وہ اپنی فصاحت و بلاغت کی حفاظت کرنے کے لیے گوشہ تنہائی میں پڑے رہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہم لوگوں میں خلط ملط ہوں گے تو ہماری زبان کی چاشنی کم ہو جائے گی ایک بہت بڑا شخص تھا۔ وہ سال بھر میں جب نکلتا تھا تو لوگ اس کے دروازے کے اوپر ادھر ادھر اپنی عبارتیں بنا بنا کر یا کوئی اشعار موزوں کر کے لگا دیتے تھے۔ جب وہ گھر سے نکلتا تھا تو گردن جھکائے ہوئے وہاں چلا جاتا تھا جہاں اس کا متبرک مقام تھا۔ واپسی پر وہ اپنے دروازے پر ادھر ادھر دیکھتا۔ لوگوں کا مقصد یہ

ہوتا تھا کہ یہ اصلاح کرے۔ چنانچہ وہ قلم ہاتھ میں لے کر اصلاح کرتا جاتا۔ کسی کو اگر غلط یا درست کہنا ہوتا تو وہ بھی شائستگی اور فصاحت کے پہلو کو لیے ہوئے کہا جاتا ایک سال جب یہ آیت نازل ہوئی۔ چھوٹی سی سورہ **انا اعطیناک الکوثر** یہ جملے کسی نے اس کی دیوار کے اوپر چسپاں کر دیئے یہ آیا اور سب کی اصلاح کرتا ہوا لکھتا ہوا تنقید کرتا ہوا جب اس جگہ پہنچا جہاں یہ سورہ لکھی تھی اور اس نے یہ سورہ پڑھی تو ایک مرتبہ قلم اس نے اپنی دانتوں کے بیچ میں دبایا تھوڑی دیر سوچتا رہا اور ایک وجد کی سی کیفیت اس میں پیدا ہوئی۔ آخر میں قلم ہاتھ میں لیا اور آگے اس نے لکھا۔ "**لیس هذا من کلام البشر**" یعنی یہ کلام بشر نہیں ہے۔

ایک اور چیز آپ کے سامنے عرض کر دوں کعبہ ایک ایسا مقام ہے جہاں زمانہ جاہلیت میں بھی حج ہوتا تھا اور اس حج کے زمانے میں میلے لگتے تھے کعبہ ہمیشہ محترم جگہ رہی ہے۔ جب مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ انہوں نے کہا ہمارے خدا کا گھر ' اور جب کافروں کا قبضہ تھا تو وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے خداؤں کا گھر۔ بہرحال یہ گھر رہا ہے محترم تو جب اس کا حج ہوتا تھا اور لوگ اطراف و جوانب سے آکر جمع ہوتے تھے تو یہاں بھی وہی جو جنون تھا فصاحت و بلاغت کا ' لوگ لکھ کر لاتے تھے اور سناتے بھی تھے اور دیوار پر لگا بھی دیتے تھے۔ اگر کوئی شعر مشہور ہو جاتا تو پھر سارے عرب کی زبان پر پہنچ جاتا ' اور خوب واہ واہ ہوتی۔ ایک شخص ایک ٹکڑا لکھ کر لایا۔ ایک ہی ٹکڑا "**اذا زلزلت الارض زلزالا**" اس نے لگا دیا دیوار پر جب لوگوں نے دیکھا تو عش عش کرنے لگے کہ کیسا نیا فقرہ ہے اور کتنا سلیس ہے اور کتنا فصیح و بلیغ فقرہ ہے۔ نہ معلوم کتنے دنوں میں اس نے سوچا تھا۔ اتنے میں یہ سورہ نازل ہو گئی **اذا زلزلت الارض زلزالها** سبحان اللہ کسی شخص نے اس سورہ کو اس کے قریب جا کر لگا دیا امرا القیس جو فصیح ترین انسان تھا اس کی بیٹی کی

اس پر نظر پڑی تو اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو گئی یہ وہ خاص کیفیتیں ہیں کہ جو لطیف ذہنوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

مطلب ادا کرنے کے لئے سب ہی ادا کر دیتے ہیں مگر جو لوگ فصیح و بلیغ ہوتے ہیں نا ان کے سامنے بڑے بڑے لوگوں کے کلام اگر پیش کیئے جائیں تو وہ بتلا دیتے ہیں کہ فلاں کا کلام ہے۔ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ جو انیس اور دبیر کے کلام کو دیکھ کر بتا دیتے تھے۔ کہ یہ زبان میر انیس کی ہے اور یہ زبان مرزا دبیر کی ہے۔ زبان وہی ہے اردو۔ لیکن الفاظ کی ترتیب نے ایسی کیفیت خاص پیدا کر دی ہے کہ کسی خاص شخصیت کے ساتھ وہ مخصوص ہو گئی۔ قرآن مجید اسی لئے تو کہہ رہا ہے کہ وہی کلام ہے جو تم کرتے رہتے ہو۔ وہی الفاظ ہیں جو تم بولتے رہتے ہو۔ وہی جملوں کی ترکیبیں ہیں کوئی الگ نہیں۔ پھر بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ لے آؤ ایسی چار ہی آیتیں۔ تم کو تو وہ ترتیب ہی نصیب نہیں ہو سکتی۔

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ قرآن مجید معجزہ ہے اس اعتبار سے کہ اس میں پیشین گوئیاں ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ معجزہ ہے اس اعتبار سے کہ اس میں پروردگار عالم نے تمام علوم کو جمع کر دیا ہے۔ جتنے علوم ہیں ان کے اصول اس میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔

جس علم کی طرف آپ غور کریں۔ معلوم ہوتا ہے قرآن سارا اسی علم میں ہے ایک علم ہے جس کا نام ہے تعبیر خواب ' اس علم کا تعلق ہے کس سے؟ نہ آپ سیکھنے کی طرف توجہ کرتے ہیں نہ ہم نے کبھی توجہ کی ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ خداوند عالم کسی کو ایک کیفیت خاص دے دیتا ہے اور وہ تعبیر بتا دیتا ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اول سے آخر تک تعبیر ہی تعبیر ہے۔ آپ آجایئے فلسفے میں تو یہ معلوم ہوگا کہ قرآن مجید اول سے آخر تک فلسفہ

ہی فلسفہ ہے۔ خدائے وحدہ لا شریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بالکل ایک طالب علم ہوں، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ اس نے کن کن مسائل کو حل کر دیا ہے۔

چلتے چلتے یہ خواب کا ذکر کر رہا تھا، ایک چیز مجمل حیثیت سے عرض کروں، طریقہ یہ ہے کہ انسان جو خواب دیکھے، پہلے یہ اندازہ کر لے کہ خواب کے شرائط تھے یا نہیں۔ ہر خواب خواب نہیں ہوتا، بعض خواب محض خیال ہوتے ہیں۔ بہت سی باتوں کا خیال کرنا پڑتا ہے مثلاً غذا کے بخارات ختم ہو گئے ہیں یا نہیں، کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معدے سے بخارات اٹھ کر روح حیوانی سے ٹکراتے رہتے ہیں۔ آدمی سویا ہوتا ہے۔ بخارات ادھر ادھر کے خیالات کا مجموعہ بنتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات جو کچھ نظر آتا ہے۔ یہ خواب نہیں ہوتے۔ مزاج کی کارگزاریاں ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر بلغمی انسان ہے تو اس میں کیا ہوتا ہے؟ برف دیکھتا ہے خواب میں بادل دیکھتا ہے، بارش دیکھتا ہے۔ برف باری دیکھتا ہے۔ اس قسم کی چیزیں اس کو نظر آتی ہیں بہرحال شرائط پوری ہوں تو خواب ہوتا ہے۔

جب خواب شرائط کے مطابق ہو، تو ادھر ادھر کہیں نہ جائیے اگر ذرا سا مذاق سلیم رکھتے ہیں تو قرآن مجید میں ڈھونڈیئے۔ جو خواب دیکھا ہے اس قسم کا ذکر قرآن مجید میں جس طرح ہوگا وہی اس کی تعبیر ہوگی۔ یہ علم خواب وہ ہے کہ جس کا سورۂ یوسف میں ذکر موجود ہے۔ حضرت یوسفؑ نے فخر کیا ہے کہ خداوند عالم نے مجھے تعبیر رؤیا کا علم عطا کیا ہے۔

ایک عالم کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے کہا کہ حضور میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اذان دے رہا ہوں۔ کہنے والا ایک نیک آدمی تھا انہوں نے اس کے حالات دیکھ کر کہا بھئی اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم جلد ہی حج کرو گے۔ وہ تعبیر سن کر چلا گیا کچھ دیر بعد ایک اور شخص آیا اور اسنے بھی ایسا ہی سنایا۔

انہوں نے اس کو دیکھا ' حالات پر غور کیا اور تعبیر بتلائی کہ تم چوری کے الزام میں پکڑے جاؤ گے ۔ کچھ ایسا ہی اتفاق ہوا کہ پہلا شخص حج کے لئے چلا گیا ' اور دوسرا شخص جو تعبیر پوچھنے آیا تھا ' چوری کے الزام میں گرفتار ہوگیا ۔ اب لوگوں نے جب یہ دیکھا ' تو بعض لوگ ان کے پاس آئے کہ بھئی خواب ایک تھا تعبیریں دو ' اور دونوں صحیح نکلیں ۔ یہ معاملہ کیا ہے ' اس نے کہا کہ بھئی بات یہ ہے کہ میں نے دونوں تعبیریں قرآن مجید سے دیں انہوں نے کہا ' بتلائے ذرا وہ کس طرح سے ' تو اس عالم نے جواب دیا کہ پہلے جو شخص آیا تھا ' وہ ایک نیک آدمی تھا اس نے جب اپنے خواب کو بیان کیا کہ میں اذان دے رہا ہوں تو مجھے ایک آیت ملی ۔ **اذن فی الناس فی الحج** ۔ ابراہیم تم اذان دے دو یعنی اعلان کر دو ' لوگوں میں ' کہ وہ حج کے لئے آئیں ۔ لہٰذا تعبیر صاف تھی کہ جس نے دیکھا کہ وہ اذان دے رہا ہے ' اسے حج نصیب ہوگا ۔ چنانچہ ہوگیا ۔ دوسرا شخص جس نے ویسا ہی خواب بیان کیا وہ ایک آوارہ قسم کا آدمی تھا ' میں نے قرآن مجید میں یہ غور کیا کہ اس آیت کے علاوہ کوئی اور بھی آیت ہے جس میں اذان کا لفظ ہو اگر قرآن میں نہ ہوتا تو اسکی بھی یہی تعبیر ہوتی ' جو پہلے کی تھی مگر قرآن مجید میں مجھے سورۂ یوسف میں ایک آیت ملی ' **اذن موذن ایتھا العبد انکم السارقون** ۔ ایک اعلان کرنے والے نے کہا ' اے قافلے والو ' تم چور ہو ۔ یاد آگیا ہوگا ' وہ قصہ کہ پیمانہ یا پیالہ رکھوا دیا تھا ' حضرت یوسفؑ نے ۔ اس دوسری آیت نے بتایا کہ کہیں وہ تعبیر ہوگی اور کہیں یہ تعبیر ہوگی ۔ اور یہ تعبیر اس جگہ کے لئے ہے جہاں دیکھنے والا ' آوارہ اور بدمعاش قسم کا آدمی ہو ۔ چنانچہ دوسرے شخص کو یہ تعبیر دی کہ وہ چوری میں پکڑا جائے گا ۔ اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ قرآن مجید اول سے آخر تک مکمل تعبیر ہے یا نہیں ۔ اسی لئے محققین نے یہ ایک نظریہ قائم کر دیا ہے کہ جب خواب ' صحیح تم دیکھو ' تو پھر قرآن مجید پر غور کرو ۔ جو خواب

میں دیکھا ہے ' اگر اس چیز کا ذکر قرآن مجید میں ہو تو سوچو کس طرح ہے ' جس طرح ہے وہی تعبیر ہے ۔ اگر خواب میں ہدہد کو دیکھیں تو سمجھ لیجئے کہ کوئی خوش خبری ملنے والی ہے ۔ ہدہد کا ذکر حضرت سلیمانؑ کے قصے میں اس طرح ہے کہ یہ خوش خبری لایا ' بلقیس کے متعلق ۔ اگر یہ دیکھے کہ خشک لکڑیاں کسی دیوار کے ساتھ کھڑی ہوئی ہیں ' تو سمجھ لے کہ ایسے لوگوں سے پالا پڑنے والا ہے کہ جن کا دل اور ہوگا اور زبان اور ہوگی ۔ اس لئے کہ سورۂ منافقون میں منافقین کی تشبیہ میں یہ کہا گیا ہے جیسے لکڑیاں کھڑی ہوئی ہوں ۔

منطق کے اصول ' فلسفے کے اصول اور دیگر علوم کس کس طریقے سے بیان کئے گئے ہیں ۔ اس کا اجمالی تذکرہ بھی ممکن نہیں ' یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن کا بظاہر کوئی تعلق ہی نہیں ہے ۔ پھر یہ لگتا ہے کہ اول سے آخر تک وہی ہیں ۔ تو جو مستقبل حیثیت میں علوم ہیں ' بتلائیے وہ کس کس طریقے سے بیان نہ ہوئے ہوں گے ۔ مگر چیز وہی ہے سمجھنے والے کی ضرورت ہے ۔

سورۂ آل عمران کے پہلے رکوع میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ ' وہ خدا ہے جس نے تمہارے اوپر ایسی کتاب نازل کی ہے کہ جس کی کچھ آیتیں محکم ہیں ' ام الکتاب ان کا نام ہے ۔ اور کچھ آیتیں ہیں جو متشابہ ہیں ' دیکھئے کتنی صاف سی چیز ہے کہ یہ قرآن مجید دو قسم کی آیتیں رکھتا ہے ۔ اس کے ذیل میں میں نے کبھی تقریریں کی ہیں اور اس وقت وہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے ۔ صرف قرآن کے فضائل بیان کرنے ہیں ۔ اے میرے بھائیو ! اے میرے عزیزو ! محکم کے معنی ہیں مضبوط ۔ اس کے مقابلے میں ہے متشابہ ۔ متشابہ نکلا ہے شبہ سے ۔ تو محکم کا مطلب یہ ہوا کہ ایسی صاف صاف آیتیں ' جن کے مطلب میں کوئی شبہ نہ ہو ۔ اور متشابہ وہ ہیں جس کے مطلب میں کوئی شبہ سا پیدا ہوجائے ۔ ایک تفسیر والا کچھ کہہ رہا ہو ۔ اور دوسرا کچھ کہہ رہا ہو ۔ ابن عباس اس کے معنی کچھ بیان کر

رہے ہوں ' ابن مسعود کچھ اور کہہ رہے ہوں جب مطلب الگ الگ ہوں گے ' تو یہ ہوگیا نا شبہ ۔ آجکل جو کہا جاتا ہے یہ مطلب نہیں ہے جو پہلے بیان کیا گیا ۔ لوگ اس وقت نہیں سمجھے ۔ مثلاً خاتم النبیین کا لفظ لوگ اس وقت نہیں سمجھے ۔ مطلب یہ ہے کہ نبوت فلاں قسم کی ختم نہیں ہوئے ' فلاں قسم کی ختم ہوگئی ۔ ان نئے نئے مطالب نے آیتوں کو متشابہ بنادیا ۔ اب ان سے کوئی دلیل پیش کرنا' ہے نا غلط ' اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ جن کے دل کج ہوگئے ہیں ۔ اور اسلام سے پھر گئے ہیں ۔ وہ متشابہ آیتوں میں غور و فکر کرکے اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ تو معلوم ہوا یہ ان کی کجئی قلب پر دلالت کرتی ہوگی ۔

ایک مقام پر قرآن مجید میں آیا ہے **الر کتاب احکمت اٰیاتہ** ۔ سورۂ ھود کا آغاز ہے ۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس کی ساری آیتیں محکم ہیں ۔ اور صرف محکم ہی نہیں ' پھر مفصل بھی ہیں ۔ **ثم فصلت** ۔

ایک اور مقام ہے تیئسویں پارے کا ' آخری رکوع ہے ' ارشاہ ہوتا ہے (**اللہ نزل احسن الحدیث ' کتاب متشابہ**) اللہ وہ ہے جس نے نازل کیا احسن الحدیث کو یعنی ایسی بات جس سے بہتر کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی ' مگر یہ کتاب کیسی ہے ' کتاب متشابہ ' ہے ۔

ایک جگہ اس کو کہا کتاب محکم ' ایک جگہ کہا کتاب متشابہ ۔ ایک جگہ کہا کچھ متشابہ ہے کچھ محکم ہے ۔ یہ ایک الجھن سی پیدا ہوئی (**نزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شی**) ۔ میرے حبیب ہم نے جو تم پر کتاب نازل کی ' وہ ہر شے کا تبیان ہے ۔ بیان نہیں بلکہ تبیان ۔ بیان کے معنی ہیں ظاہر کرنا ۔ ہر شے کا بیان نہیں ' بلکہ تبیان ' اچھی طرح سے واضح طریقے سے ظاہر کرنا ۔ ہر شے کا بیان نہیں ' بلکہ تبیان ' اس کا مطلب یہ ہے کہ محکم ۔ دوسرے مقام پر کہا متشابہ ہے ۔ تیسرے مقام پر کہا کہ بعض محکم ہے بعض متشابہ ہے ۔

اب ان آیتوں کے ذیل میں کچھ عرض نہیں کرنا ہے۔ اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا نا' جو ایسا کلام کرتا تو فوراً خیالات اس طرف جاتے کہ پہلے ایک بات کہی تھی' کچھ عرصہ کے بعد بھول گئے کہ کیا کہا تھا۔ تو یہ بات کہہ دی۔ پھر اس کے بعد کچھ دن اور گزر گئے' تو پھر بھول گئے کہ اس کے بعد کیا کہا تھا۔ لہٰذا تیسری بات کہہ دی مگر یہ ہے خدا کا کلام' اس میں تو دم مارنے کی جگہ ہے ہی نہیں۔ اس میں تو ذرا سی چیز آئی تو سوائے کفر کے کوئی چیز ساتھ ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ہمیں غور کرنا پڑ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔

میرے بزرگو' پہلے یہ بات سمجھ لیجئے کہ فطری حیثیت سے بعض لوگ ذہین پیدا ہوتے ہیں بعض غبی ہوتے ہیں۔ سکولوں میں چلے جایئے بعض لڑکے ایسے ہوتے ہیں کہ ادھر استاد نے بات کی ادھر انہوں نے سمجھ لی' بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے لیکچر رکھنے پڑتے ہیں' مگر وہ پھر بھی نہیں سمجھتے۔ بہرحال الگ الگ ذہن ہیں۔ الگ الگ حافظہ ہے۔ قرآن مجید جو ہے اس وقت کے لئے نہیں آیا' جب جاہلوں کا زمانہ تھا۔ ابھی ابھی مولانا فرما رہے تھے کہ کوئی مکتب بھی تو نہ تھا۔ ایسی جہالت تھی۔ وہ طبعی لحاظ سے کیفیت تھی فصاحت و بلاغت کی' مگر کوئی مقصد نہ تھا۔ اگر آپ مدینے میں تلاش کریں گے' پڑھے لکھوں کو تو آپ کو سات آٹھ آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں میں نہیں ملیں گے۔ حد سے حد دس بارہ جو فقط غور کر کے خط وغیرہ پڑھ لیتے تھے۔ اس سے زائد نہیں۔ میرے بزرگو یہ قرآن اس وقت کے لئے تو آیا نہیں تھا۔ یہ تو آیا تھا صبح قیامت تک کے لئے۔ جس عرصے میں ہر قسم کے دماغوں کے لوگ پیدا ہونے والے ہیں۔ کوئی جغرافیہ میں کمال رکھتا ہوگا۔ کوئی سائنسی علوم کا ماہر ہوگا۔ کوئی فلسفے میں کمال رکھتا ہوگا۔ تمام دنیا کے علوم کے اہل دماغ پیدا ہونے والے تھے۔ تو سب کے لئے آیا ہے نا۔ تو اس میں ہر ایک عقل کے لئے غذا ہونی چاہئے۔

کہ اس دسترخوان پر آکر سیر ہو سکے ہر دماغ والا۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے ایک چیز بدیہی ہے۔ دوسروں کے لئے وہ واضح نہیں ہے۔ انہیں جواب دینے کے لئے غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔ جتنا دماغ اونچا ہوتا جائے گا زیادہ غور و فکر کرکے جواب دینا، کم ہوتا جائے گا۔ اس طرح اس مقام تک دماغوں کو لے جایئے جہاں پر جناب رسالت مآب ہیں۔ ایک بی اے جب بچوں کے سامنے تقریر کرے گا، کیا ایسی تقریر کرے گا جو ایف اے والوں کے سامنے کی جاتی ہے۔ کبھی نہیں کرے گا۔ وہ ایسی تقریر کرے گا، جیسی بچوں کے سامنے کی جاتی ہے۔ اس زمانے میں جب رسول اللہ آئے ان کو ویسی ہی تقریروں کی ضرورت پڑی کہ یہ سمجھ جائیں۔ لیکن وہ چیز دوسروں کے لئے بدیہی تھی اور واضح تھی۔

سب سے پہلے خدا نے جس چیز کو پیدا کیا، وہ ہے عقل۔

(**اول ماخلق اللّٰہ العقل**) اور اسی عقل کا دوسرا نام ہے حقیقت محمدیہؐ اب رسول اللہؐ کو وہ کتاب جو ہمارے لئے مفید ہو سکتی، خدا تحفے میں بھیجتا؟ یہ جو پانچویں جماعت کے لئے کوئی کتاب ہو سکتی ہے کہ انعام ہے۔ کیا پی ایچ ڈی کے لئے بھی وہی کتاب انعام ہو سکتی ہے۔ یہ ان کی توہین نہیں ہے؟ اس کے لیے ویسی ہی کتاب ہونی چاہئے، رسول اللہؐ تھے عقل مجسم، لہذا قرآن مجید اس عقل کے اعتبار سے آیا۔ تو ان قرآنی حقیقتوں کو سمجھنے کے لئے ویسا ہی دماغ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ جناب رسالت مآبؐ کا تھا۔ یعنی وہ ان کی حقیقت کا جز ہو۔

بہرحال اتنا تو مسلم ہے کہ ایک چیز ایک شخص کے لئے بدیہی ہوتی ہے اور دوسرے کے لئے نظری، یعنی قابل غور و فکر۔ ہم نے جب غور کیا تو سورۂ واقعہ میں ایک آیت نظر آئی۔ میدان حشر میں تین قسم کے لوگ ہوں گے۔ کچھ برکت والے لوگ ہوں گے۔ کچھ نحوست والے لوگ ہوں گے۔ اور ایک وہ

ہوں گے جو سب سے آگے ہوں گے۔ وہی مقربین بارگاہ احدیت ہوں گے۔ لہٰذا تین قسم کے ہوں گے نا، آدمی۔ قرآن مجید بھی تین قسم کا ہے۔ جو نحوست والے لوگ ہیں ان کے لئے سب کا سب متشابہ۔ جو برکت والے ہیں ان کے لئے اتنا محکم جو سابقین سے مل گیا۔ اور اتنا متشابہ جو سابقین سے نہ ملا۔ اور سابقین کے لئے سب کا سب محکم۔

کمال دین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا

پروردگار عالم اس آیہ مبارکہ میں کہ جو بہت ہی زیادہ مشہور ہے، ارشاد فرماتا ہے کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ اس کے ذیل میں آج ایک مطلب کو ثابت کرنا چاہتا ہوں، جس کا ذکر میری تقریر میں آج تک کبھی نہیں آیا۔ وہ چیزیں کہ جو اس سے متعلق آپ حضرات کے سامنے کبھی عرض کی ہیں۔ ان میں سے مقدمات کے حیثیت سے کچھ آئیں گی۔ لیکن صرف اس لیے کہ وہ اس مطلب کو ثابت کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

یہ آیت کب نازل ہوئی، اس کے متعلق صرف یہ عرض کر دینا میرے خیال میں کافی ہے کہ اس کا نزول ۱۸ ذی الحج کو ہوا، اور یہ وہی دن ہے جسے عید غدیر سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہی وہ موقع ہے کہ جب جناب رسالتمآب نے امیر المومنین کے متعلق فرمایا تھا، **من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ**، اور جس پر اہل اسلام کا اجماع ہے مجھے نہ عید غدیر کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے، نہ اس واقعے کے کے ذیل میں کچھ عرض کرنا ہے کہ وہاں کیا ہوا مجھے تو صرف ان الفاظ کے متعلق دو ایک باتیں آپ کی خدمت میں پیش کرنی ہیں۔

لفظ کمال کا تصور اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ نقص کا تصور نہ ہو۔ نقص اور کمال یہ دونوں لفظ آپس میں متقابل ہیں۔ تقابل کے معنی یہ ہیں کہ دو چیزوں کا ایک جہت سے ایک وقت میں ایک مکان میں جمع ہونا محال ہو،

اب ان دونوں کے درمیان کون سا تقابل ہے ' کیونکہ تقابل کی چار قسمیں ہیں ' اس وقت ان سے بحث نہیں ۔ صرف اتنا عرض کر دوں کہ اس اعتبار سے کہ دونوں وجودی ہیں ' ہم اسے تقابل تضاد کہہ دیں گے ' اور اس اعتبار سے کہ ناقص وہ ہوتا ہے جس کی صفت یہ ہے کہ وہ کامل ہو سکتا ہے اسے تقابل عدم و ملکہ کہہ دیں گے ۔ بہرحال یہ متقابل لفظ ہیں دونوں ۔

جب آپ کسی کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ فلاں چیز کامل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی چیز ہے ۔ آپ کے ذہن میں جس کے اعتبار سے کامل ہے ۔ ایک چیز تو یہ ذہن میں رکھیں ۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ جب آپ کسی چیز کی طرف ان الفاظ کو منسوب کر دیں گے تو اس کی اور حیثیت ہوتی ہے ۔ اور جب مطلق حیثیت سے آپ استعمال فرمائیں گے تو پھر کوئی حد معین نہیں ہو سکتی ہے ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ یہ کہیں کہ کمال خدا ۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اضافت کر دی خدا کی طرف ' اور نسبت دے دی ' تو اب یہ ایک معین چیز ہو گئی کہ اب اس کے بعد کوئی حد ہی نہیں ہے کہ اس سے آگے آپ تجاوز کر سکیں ۔ اسی طریقے سے خدا کے مقابلے میں ہے ایک شریک خدا ' جو محال عقلی اور عدم محض ہے ۔ اس کے لیے نقص کی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی ہے کہ اس سے آگے بڑھ سکے ۔

ایک چیز اور بھی ہے اس کے اندر کہ بعض چیزوں کی طرف جب آپ اضافت دیں گے ' مثلاً آپ نے کہا ' کمال حیوانیت ' تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ انسان بن گیا ۔ یا کسی انسان کو آپ کہیں کہ یہ انسان کامل ہے ' تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ خدا بن گیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حیوانیت کے بعد انسانیت ہے تو یہ کمال وہاں تک پہنچا ہے کہ جس کے آگے سے انسانیت شروع ہوتی ہے اسی طرح انسان کامل ' آپ کہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

انسانیت کی حدود میں رہ کر جو آخری منزل ہے۔ وہاں تک پہنچا گیا ہے۔ اور جس کو آپ کہہ سکیں۔ اگر کہہ سکیں کہ یہ انسان کامل ہے' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس منزل پر پہنچ گیا ہے کہ اگر آگے بڑھنے کا امکان ہوتا' اور بڑھ جاتا تو یہ خدا ہوتا لیکن یہ ایک محال چیز ہے۔ لہٰذا انسانیت کے حدود میں رہ کر جو آخری منزل ہے وہاں تک پہنچ جانے کا نام ہے کمال۔ یعنی کمال مطلق۔

اب یہ چیزیں آپ کے ذہن میں آجانے کے بعد یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خدا نے جو یہ کہا کہ **الیوم اکملت لکم دینکم** ' اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی دین اب ایسا تصور نہیں کیا جا سکتا' جس کے لیے کوئی ایسی منزل ہو جو اس کی منزل سے آگے ہو۔ جناب رسالتمابؐ تشریف لائے اور کمال مطلق کے حامل ہو کر آئے۔ انہی کے اعتبار سے دین کامل دیا گیا ان کو۔

جناب رسالتمابؐ ایسے کامل تھے کہ جن کے بعد اب کمال کی کوئی منزل ہی باقی نہیں تھی۔ اب کمال بحیثیت ممکن کے دیکھا جائے گا۔ جناب رسالتمابؐ آخر مخلوق ہیں اور ممکن ہیں' تو ممکنات میں جو منزل ہو سکتی ہے کمال کی اس پر فائز ہیں۔

دو حیثیتیں ہیں اس وقت جناب رسالت ماب کو دیکھنے کی ایک آپ کو خود اپنی ذات کی حیثیت سے دیکھیں اور دوسری دین کے اعتبار سے دیکھیں۔ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ابتدائے منزل سے جناب رسالت ماب کامل و اکمل ہوں' اور دین ابھی منازل نقص میں ہو' کیوں اس لیے کہ مکمل دین تو پہلے دن جناب رسالتمابؐ نہیں لائے' جب پہلے دن تشریف لائے تو آپ نے یہی فرمایا کہ **قولوا لا الہ الا اللہ** ' یہ پہلی چیز تھی دین کی' کہ جو جناب رسالت ماب نے اعلان نبوت کے ساتھ بیان فرمائی۔ تو اب اس کے اعتبار سے دین مکمل تو نہیں ہوا۔ ابھی تو اور چیزیں بھی آنی ہیں اس میں۔ یہ تو صرف توحید ہی تک محدود ہے۔

اس کے بعد اب نبوت کی منزل آئے گی ' اس کے بعد اصول کے اعتبار سے قیامت وغیرہ کا بھی اعتقاد شریک ہو گا۔ اس کے بعد فروعات ہوں گے 'کیونکہ تنہا اصول دین کا نام نہیں ہے بلکہ دین میں اصول بھی ہیں اور فروعات بھی ہیں۔ تو جب یہ تمام چیزیں جمع ہو جائیں گی ' تب ہی تو کامل ہو گا نا۔ جناب رسالت ماٰب ابتدائے منزل سے کامل ہیں۔ اس لیے ایک دن آنے والا تھا کہ آپ کے دین کے متعلق بھی یہ کہہ دیا جائے کہ آج یہ کامل ہو گیا۔ چنانچہ اب دونوں چیزیں کامل ہیں ایک پہلے ہی سے کامل ' اور دوسری اس روز کامل ہوئی کہ جس روز یہ آیت نازل ہوئی۔

لہٰذا دین کے لیے بھی اب کوئی منزل ایسی باقی نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ اب یہ آجائے تو دین کامل ہو گا۔ دین بھی کامل ہو گیا جناب رسالتماب محمد مصطفٰی ؐ پہلے ہی سے کامل تھے اب اس کے ذیل میں یہ گذارش کرنی ہے کہ یہ دین جناب رسالتماب ؐ جس کے سپرد کریں گے وہ انسان کامل ہونا چاہیے یا نہیں۔ جناب رسالتماب ؐ کے بعد یہ دین جس کے سپرد کیا جائے گا۔ کیا وہ انسان ناقص ہو سکتا ہے ؟ ایک ناقص کے کیسے سپرد کیا جا سکتا ہے ' کامل دین۔ کیسی ایک صاف سی اور سامنے کی چیز ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ انسان کامل کے متعلق کچھ عرض کروں کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔ کہنے کے لیے تو عام طور سے لوگ حکما کو بھی کہہ دیتے ہیں ' اور لوگوں کو بھی کہہ دیتے ہیں کہ انسان کامل ہیں ' مگر یہ صرف لفظ ہی لفظ ہیں ' اور صرف مجاز ہی مجاز ہے اس میں حقیقت نہیں ہے۔

کمال جو ہے وہ دو حیثیتوں سے دیکھا جاتا ہے ایک کمال وہ ہے جو تکوینی ہے اور ایک کمال ہے تکلیفی۔ کمال تکوینی کا اپنے اختیار سے کوئی تعلق نہیں ہے اور کمال تکلیفی کا تعلق اپنے اختیارات سے ہے مثلاً فرض کیجئے خدا نے

ایک شخص کو نہایت حسین و جمیل بنا دیا۔ اب یہ حسین و جمیل بن جانا اس کے اختیار میں نہ تھا۔ اس نے ایک موتی کو بغیر کسی عیب کے بہترین قسم کا بنا دیا' اب موتی خود نہیں بنا ویسا' بلکہ کسی اور نے بنا دیا' تو بنانے والا کوئی اور ہے۔

موجودات میں اس وقت سب سے بڑا موجود یہی ہے نا انسان' اس نے اپنے کمال سے کیا کیا نمونے دکھا دیئے ہیں' لیکن کسی شخص کا چہرہ مثلاً لمبا بنا دیا ہے۔ تو وہ اس بات پر قدرت حاصل نہ کر سکا کہ اسے گول بنا دے۔ اگر کسی شخص کی آنکھیں اس نے چھوٹی بنا دی ہیں' تو یہ انسان آج تک اس بات پر قادر نہ ہو سکا' کہ اسے بڑی بنا دے اگر کسی کی آنکھیں کچھ بڑی بنا دی ہیں۔ یعنی اعتدال سے زائد ہیں' جس کے متعلق وہ علماء جو علم قیافہ کے جاننے والے ہیں اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اور اس میں کچھ ایسی خاصیتیں بتلاتے ہیں کہ جو اچھی نہیں سمجھی جاتیں۔ تو وہ اگر یہ چاہے کہ اس حد اعتدال سے جو تجاوز ہو گیا ہے آنکھوں میں' اسے ذرا کم کر دے تو آج تک دنیا اس پر قادر نہیں ہو سکی۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ میں کمی نہیں ہے اور سب چیزوں کو چھوڑ دیجئے چہرے کی ساخت لیجئے۔ ذرا سا چہرہ ہے نا' کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ میرے چہرے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے کچھ نہ کچھ کمی ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی تو اور خوبصورت ہو جاتا' یہ مطلب ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حسن کا معیار آج تک دنیا میں قائم ہی نہیں ہو سکا۔ کوئی کسی حیثیت سے اچھا سمجھتا ہے کوئی کسی طریقے سے اچھا سمجھتا ہے۔ بہرحال جیسا اس نے بنا دیا' مجبور ہے کہ انسان ویسا رہے۔ اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیز بھی اس کے وجود پر ایک دلیل ہے۔

کامل ہونے کی حیثیت میں دو صورتیں تھیں۔ ایک تکوینی کمال تھا اور ایک تکلیفی کمال تھا۔ تکوینی کمال جو ہے وہ اس کے اختیار میں ہے اور مشیت

کے ماتحت ہے ۔ رہ گیا تکلیفی کمال ، تو اس کا تعلق ہمارے اختیارات سے ہے اور اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا یہ کمال تکلیفی ، علم سے تعلق رکھتا ہے یا عمل سے تعلق رکھتا ہے ۔ ایک کمال علمی ہوا اور دوسرا کمال عملی ۔ کمال علمی کو لیجئے ، کوئی شخص دنیا میں یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ کمال علمی کی ہیں آخری منزل پہ پہنچ چکا ہوں ، ایک اگر کامل نظر بھی آتا ہے تو اس میں بہت سے نقص بھی نظر آتے ہیں ۔ ایک شخص اگر سائنس میں کمال حاصل کرچکا ہے تو سینکڑوں علوم ایسے ہیں کہ ان میں یا ناقص ہے ، یا صفر ہے کچھ بھی نہیں ہے ۔ کوئی شخص ہے دنیا میں جو یہ کہے کہ مجھے تمام علوم میں کمال حاصل ہے یا فلاں شخص کو کمال حاصل تھا ؟ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا ہے تو اگر ایک جہت سے یہ کامل ہے تو پچاس جہت سے یہ ناقص ہے ، تو جب آپ کہیں گے کہ یہ کامل ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک فن میں کامل ہے ، بس ختم ہوا ۔ لیکن اس کامل کے لفظ کے مقابلے میں پچاس چیزیں سامنے آئیں گی کہ اس میں بھی ناقص اس میں بھی ناقص ۔ اب آپ بتائیے ۔ کہ انسان کامل کسے کہیں ہم ۔ حقیقی معنی میں ؟ میں نے عرض کیا جو کچھ کہا جاتا ہے وہ مجازی حیثیت سے کہا جاتا ہے انسان کامل ۔ تو انسان کامل تو وہ ہو سکتا ہے کہ کسی چیز میں ناقص ہو ہی نہیں ۔ تو این سعادت بزور بازو نیست ، یہ حاصل کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ پروردگار عالم خود نہ عطا کرے ۔

ارسطو بہت بڑا حکیم گزرا ہے ، کہ آج تک مشہور ہے ۔ مگر جب سے یہ نیا فلسفہ اور نئی سائنس چلی ہے ، اس کے افکار میں بھی بہت سے نقائص پیدا ہو گئے ہیں ۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ کیا وہ ان تمام علوم سے واقف تھا کہ جو دنیا میں ہیں ۔ بہت سے ایسے علوم ہیں کہ جو اس وقت دنیا میں ہیں اس وقت نہیں تھے ۔ ارسطو کے علاوہ اور بڑے بڑے حکماء گزرے ۔ بقراط اور افلاطون وغیرہ ۔

جو اس وقت کے اعتبار سے عجیب الخلقت لوگ کہے جا سکتے ہیں۔ زمانے نے اتنی ترقیاں بھی نہیں کی تھیں۔ اتنے باقاعدہ کالج اور اسکول بھی نہیں تھے۔ لیکن ان کے نظریات، ان کے کلیات، اور ان کی تھیوریاں، آج بھی معرض بیان میں لائی جاتی ہیں۔ یہ اور چیز ہے کہ آپ ان کی مقابلے میں جو اقوال ہیں ان میں سے کسی قول کو اختیار کر لیجئے لیکن میں اگر یہ عرض کروں، تو شائد غلط نہ ہو گا، اور وہ حضرات غلط نہ کہیں گے، کہ جو ان چیزوں کو جانتے ہیں، کہ اگر کسی چیز میں اختلاف ہو گیا ہے طبیعات کے مسئلے میں یا جزئیات کے مسئلے میں اور دو چار قول اس میں پیدا ہو گئے ہیں تو آج کوئی نیا قول نہیں نکلا، انہی قولوں میں سے کسی قول کو لیا گیا ہے۔ یعنی وہاں تک ان کے دماغوں کی رسائی ہو چکی تھی۔ انہوں نے علم طب اور فلسفے میں کمال حاصل کر لیا۔ چلیئے کامل ہیں صاحب یہ علم طب اور فلسفے میں۔ لیکن حضور ایک علم طب ہی بس ایک علم ہے اور دنیا میں کوئی علم نہیں تو یہ انسان کامل کہے جانے کے قابل ہیں؟ جب کہ ان میں ایک پہلو کمال کا اور دوسرے علوم میں نقص ہی نقص۔

اب آپ ہمیں یہ بتا دیجئے کہ جو انسان کامل ہو۔ یہ میں ان لوگوں کی باتیں کر رہا ہوں جن کے کمالات کو دنیا نے تسلیم کیا ہے یعنی جن کا ذکر کملا کی فہرست میں آتا ہے کہ فلاں علم میں ان کے یہ نظریات تھے ان کا ذکر کر رہا ہوں، اور جن کا ذکر کسی اعتبار سے کسی فن کے متعلق نہ آئے تو ان لوگوں کو انسان کامل کہنے کے لیے آپ کبھی تیار ہوں گے؟

میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ اسلام آیا اور یہ انسان کو ایک حد تک کامل بنانے کے لیے آیا جتنی کسی شخص میں قابلیت تھی، اس کی اعتبار سے اس کو بلند کیا۔ اب مثلاً اب ابتدائی منزلیں تھیں اسلام کی، تو اس میں مسائل سکھلائے گئے، کہ بھئی یوں وضو کیا کرو۔ یوں نماز پڑھ لیا کرو۔

اس طرح سے زکواۃ کے طریقے سکھلائے۔ یہ چیزیں جناب رسالتمابؐ نے سمجھائیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ قرن اول کے لوگوں میں ' ابھی اہل بیت کو الگ رکھئے کوئی شخص فلسفے میں کامل نہیں کہا گیا۔ علوم معانی و بیان میں کوئی شخص کامل نہیں کہا گیا۔ اور جو متعلق علوم ہیں ابتدائے امر میں ' اور پہلی صدی میں کوئی شخص اتنا نہیں ہوا کہ وہ ان میں کوئی مہارت رکھتا ہے جب یہ چیز ہے تو اب آپ ' اگر صرف مسائل جان لیے گے تو ایسے لوگوں کو کیا انسان کامل کہا جا سکتا ہے ؟ جب کہ بہت سی چیزوں سے قطعاً " نابلد ہیں ' نہیں کہا جا سکتا نا۔ جب انسان کامل اس اعتبار سے نہیں ' تو وہ دین جو ہر لحاظ سے اپنی اپنی دماغی قابلیت کے لحاظ انسان کو کامل کرنے کے لئے آیا تھا ایسے لوگوں کے سپرد کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

جس کو جتنے مسئلے یاد ہوئے جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بیان کئے ہوئے ' وہ یاد ہو گئے۔ اس کے بعد ہو گیا اختلاف ' اختلاف بھی اس حیثیت سے ہوا کہ تقابل کی قسمیں نظر آنے لگیں۔ کہ جہاں دو چیزوں کا ایک وقت میں ایک جہت سے اور ایک مکان میں جمع ہونا محال ہوتا ہے ایک نے کہا یہ واجب ہے دوسرے نے کہا کہ نہیں اس کی مخالف جو چیز ہے وہ واجب ہے '۔اب دونوں چیزیں تو جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایک ہی ان میں سے صحیح ہے ' اب ایسے وقت میں دونوں اگر وجوبی چیزیں ہیں ' تو یا ایک صحیح ہے یا دونوں غلط۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں صحیح ہوں ۔ اچھا تو اب زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک صحیح تو ایک کی صحت جس سے تعلق رکھتی ہے اس انسان کو آپ کامل کہہ سکیں گے لیکن جس سے غلطی کا تعلق ہو گیا ہے۔ وہ تو ناقص ہو گیا نا۔ اس چیز میں بھی۔ کیونکہ وہ اس غلط کو صحیح سمجھ رہا ہے اور اگر اس غلط کو صحیح سمجھنے میں اعتقاد کو بھی دخل ہو گیا تو اسی کا نام ہے جہل مرکب ' جس سے زیادہ نقص دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ یہ اپنے مقام پر الگ رہی ایک چیز اب دوسرے۔

اعتبار سے آپ کے سامنے اور پیش کرنا چاہتا ہوں۔

کمال اچھی چیز ہے اور نقص بری چیز ہے' ٹھیک ہے نا۔ ناقص اس لیے ہے کہ اس میں وہ چیز نہیں کہ جو کامل میں ہے' اور کامل اس لیے کامل ہے کہ اس میں وہ چیز ہے کہ جو ناقص میں نہیں' تو یہ نہیں' جو ہے اس کا نام عدم ہے نا۔ اچھا جب اس کا نام ہے عدم' تو عدم ہے شر' اور وجود ہے خیر۔ عدم ہے بری چیز اور وجود ہے اچھی چیز' اسی لیے کامل کو اچھا سمجھا جاتا ہے اور ناقص کو برا سمجھا جاتا ہے' اور یہ کمال کا تعلق ایسی چیزوں سے ہو سکتا ہے جو فی" نفسہ خود اچھی ہیں۔ ایک شخص گالیاں دینے میں اگر کمال رکھتا ہے کہ وہ نئی نئی گالیاں دے سکتا ہے تو اس کو لفظ کمال سے تعبیر نہیں کریں گے کیونکہ گالیاں دینا خود شر ہے' اور جب شر سے تعلق ہو گا تو وہ کمال نہ ہو گا کیونکہ یہ بھی ایک عدمی چیز ہے گالیاں بکنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود گالیاں تو وجود میں آگئیں مگر انسانیت جو تھی وہ عدم ہو گئی چونکہ انسانیت عدم ہو جاتی ہے اس لیے یہ بری ہو گئیں۔ اب کمال کا تعلق انہی چیزوں سے ہے کہ جہاں انسانیت کا وجود محفوظ رہے' لہٰذا اچھی چیزوں ہی سے کمال متعلق ہو گا۔

یہ چیز یاد رکھنے کی ہے۔ کمال وجودی چیز ہے اور نقص میں عدم ہے۔ پروردگار عالم میں چونکہ کسی حیثیت سے عدم نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی ذات کمال ہی کمال ہے اور جب کمال ہی کمال ہے تو وہ نقص کو کبھی دوست نہ رکھے گا اس کو کمال سے محبت ہو گی اور محبت کا مقتضٰی یہ ہے کہ اس کے کمال کی کوئی تعریف کرے۔ کوئی تو اچھا کہنے والا ہو۔ یہ مقتضائے طبعی ہے اور یہی وہ چیز تھی جو سبب ہوئی مخلوق کے پیدا کرنے کی۔ اور اس نے اس لیے پیدا کیا کہ کوئی تو ہو جو یہ سمجھ کر کہے کہ یہ ایسا کامل،اور یہی وہ مطلب ہے کہ جو حدیث قدسی میں بیان کیا گیا ہے۔ میں ایک خزانہ پوشیدہ تھا مجھے اچھی معلوم ہوئی یہ بات کہ میں پہچانا

جاؤں۔ تو اب پہچاننے کی حد اگر ناقص ہے تو پھر ادھر نقص نظر آئے گا لہٰذا اب وہ چاہتا ہے کہ اتنا پہچانا جاؤں کہ جو حد ہے پہچانے جانے کی۔ یہ غلط۔ اس لیے کہ اتنا تو وہ خود بھی سمجھتا ہے اپنے کو۔ کیونکہ وہ واجب الوجود ہے تو جیسا وہ پہچان سکتا ہے ایسا تو کوئی پہچان ہی نہیں سکتا۔ لیکن دوسرا جو ہوگا وہ ممکن ہوگا تو بہ اعتبار ممکن جتنا وہ پہچانا جا سکتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اتنا پہچانا جاؤں تو جب پہچانا جاؤں گا تو پہچاننے والا خود میری تعریف کرنے لگے گا۔

لہٰذا جس کو بھی اس نے سب سے پہلے پیدا کیا اس نے معرفت کاملہ کے ساتھ اس کی تعریف شروع کر دی' اور وہ چونکہ ہم نہیں ہیں لہٰذا ہماری پیدائش کا مقصد وہ نہیں ہے اب ہماری پیدائش کا مقصد پھر کیا ہوگا۔ بات یہ ہے کہ اول مخلوق نے تعریف کی اور اس شان سے تعریف کی اور مقصد بھی یہی تھا کہ حمد کی جائے۔ تو یہ جو مقصد پورا ہوا۔ تو حمد کرنے والا خود محبوب ہو گیا اور جب اس سے محبت ہو گئی تو ضرورت ہوئی کہ اس کا کوئی تعریف کرنے والا پیدا ہو' لہٰذا ملائکہ بنائے گئے اور انبیاء پیدا کیے گئے تاکہ اس حقیقت کی تعریف کریں۔ اب رہ گیا یہ کہ ہم ویسے کیوں نہ ہوئے اس لیے نہ ہوئے کہ ہماری قابلیتیں جو تھیں وہ خود ناقص تھیں۔ ہمیں مادے کے ساتھ بننا تھا اور مادے کی حقیقت ہی تاریک ہے لہٰذا ہم جو اس منزل پر نہ پہنچ سکے تو اپنی ماہیت کے اعتبار سے نہ پہنچ سکے ورنہ وہاں کمی نہ تھی فیض میں کمی نہ تھی۔ ہماری قابلیت جو ماہیت امکانیہ کی جہت سے تھی اس کے اعتبار سے یہ نقائص باقی رہ گئے۔

پروردگار عالم کامل مطلق ہے بلکہ کمال مطلق ہے اس لیے اب اگر کسی ایسی چیز کو نہ بناتا ' کہ جو کامل ہوتی اپنے دائرہ امکان میں' تو یا بخیل ہونا اس کا لازم آتا یا جاہل ہونا لازم آتا۔ یا عاجز ہونا لازم آتا۔ نہ خدا بخیل ہے' نہ خدا جاہل ہے' نہ عاجز ہے' لہٰذا ضرورت ہوئی اس بات کی کہ ویسا بنایا جائے کہ دائرہ

امکان میں اس سے زیادہ کامل نہ ہو۔ تاکہ خدا کی قدرت کا، اس کے علم کا، اور اس کی حکمت کا، وہ نمونہ بن جائے اور وہی اول مخلوق ہے جسے ہم نور محمدیؐ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ بنانا لازم تھا چونکہ ایسا بنایا کہ جو ضروری تھا کہ ایسا بنایا جائے، تو جب وہ عالم ظاہری میں بھیجا گیا تو اس کے ساتھ جو دین کیا گیا جو شریعت کی گئی وہ بھی اسی کی شان کے مطابق ہونی چاہیئے تھی۔ لیکر آئے تھے ابتدا ہی سے وہ دین جو کامل تھا۔ تو دین بھی کامل تھا ابتدا ہی سے، اور خود بھی کامل تھے مگر اظہار کمال دین ہماری وجہ سے وقتاً فوقتاً ہوا، یعنی ان کی وجہ سے نہیں کہ وہ نہیں جانتے اس لیے آہستہ آہستہ اور تدریجی حیثیت سے دین کے کمال کو ظاہر کرتے رہے۔ دین تو ان کے ساتھ تھا۔ دین سے وہ واقف تھے۔ قرآن مجید جس چیز کا نام ہے کہ پروردگار عالم کی وہ آخری کتاب ہے، اور ایسی کتاب ہے کہ جس میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ نہ ہو۔ وہ اس وقت سے ان کے پاس ہے۔ جب کہ وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ صرف اس لئے کہ آپ متوجہ ہو جائیں، **الرحمن علم القران الخ** یہ آیت آپ نے سنی ہوگی۔ خدا نے قرآن سکھلایا، انسان کو، پھر پیدا کیا، اس کے بعد بیان کرنا سکھایا۔ ذرا ترتیب کو دیکھئے پہلے قرآن سکھلایا۔ پھر خلق کیا انسان کو، لفظ خلق ہے۔ جس سے جسمانی اعتبار سے تدریجی ترقی ہو گی کہ بچے ہوں گے۔ جوان ہوں گے پھر بڈھے ہوں گے۔، تو پہلے تعلیم قرآن ہوئی پھر خلق ہوئے اس کے بعد بیان کرنا سکھایا یہ ترتیب کچھ اس طرح سے نہیں ہے جس طرح سے کہ ہونی چاہیئے۔ کہ پہلے انسان کو خلق کیا پھر قرآن کی تعلیم دی اس کے بعد بیان کرنا سکھلایا۔ یہی ہے نا۔ آپ پیدا ہوئے اس کے بعد ذرا بڑے ہوئے، بڑے ہونے کے بعد مدرسے میں کچھ پڑھنا سیکھ لیا۔ پڑھنے کے بعد بیان کرنا سیکھا یہ ترتیب ہے مگر اس مقام پر جو ترتیب ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ انسان ہے کہ جو پیدا ہونے سے پہلے قرآن کی تعلیم حاصل کر چکا تھا۔ یہ

دین کو ساتھ لائے تھے کیوں کہ عین دین ہے قرآن۔

قرآن کے متعلق یہ توضیح ہے کہ **انا انزالنہ فی لیلتہ القلو** ہم نے اسے لیلتہ القدر میں نازل کیا۔ میدان جنگ میں تو شب قدر تھی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے تو شب قدر نہ تھی جب دن میں وعظ کیا کرتے تھے ' تو شب قدر نہ تھی کہ رسول اللہ ؐ کے اوپر آئتیں نازل ہوتی تھیں۔ ایک وقت میں نازل ہوا پورا قرآن ۔ اور وہ ہے شب قدر۔ اس کو کہا جاتا ہے کہ لوح محفوظ میں نازل ہوا شب قدر میں ۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اترتا رہا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جس کا نام لوح محفوظ رکھا گیا ہے اسی کا دوسرا نام ہے محمد مصطفیٰؐ ۔ اور اس کے متعلق ہمارے پاس کچھ نہ کچھ دلائل ہیں ایسے جن کی روشنی میں ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں۔

جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل آئے ' کامل دین ان کے ساتھ تھا۔ اظہار دین کے لئے تدریجی حیثیت اختیار کی گئی وہ کس وجہ سے ؟ ان کے اپنے نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ ہمارا نقص کی وجہ سے چونکہ ہم ناقص تھے ہم تمام چیزوں کا تحمل ایک دن میں نہیں کر سکتے تھے۔ ہم سے کہا گیا۔ (لا الٰہ الا اللہ) کہو ' پھر کہا گیا کہ محمد الرسول اللہ بھی اس کے ساتھ بڑھا لو۔ اس کے بعد کہا گیا کہ امامت کا اور قیامت کا اقرار بھی اس کے ساتھ ضروری ہے یہ اعتقاد نہ ہوگا تو ڈرو گے کیسے ۔ اب کہا گیا کہ ذرا نماز بھی پڑھ لیا کرو۔ پہلے دو ہی رکعت آئی اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ سترہ (۱۷) رکعتیں ہو گئیں ۔ اس کے بعد کہا گیا کہ ایک ماہ کے روزے رکھو تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے اور اسکے بعد کہا گیا آخر خدا تم کو مال دیتا ہے اس میں زکوٰۃ بھی دے دیا کرو ' غریبوں کا بھی کچھ حق ہونا چاہئے بہرحال آہستہ آہستہ یہ چیزیں آتی رہیں کچھ اصول سے متعلق آتی رہیں کچھ فروع سے متعلق آتی رہیں اب ایک وقت وہ آگیا کہ دین جو کامل حیثیت میں جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ لائے تھے اس کا اظہار مکمل طور پر

ہو گیا۔ تو جس دن وہ مکمل ہوا۔ یہ آیت نازل ہو گئی کہ آج ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا تو اب یہ کامل دین اتنا ہے کہ جتنے کامل ہیں جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

دین کا مطلب ہے وہ طریقہ کہ جس طریقے سے معاد اور معاش کی اصلاح ہو سکے۔ یعنی دین جو ہوتا ہے وہ صرف اس بات کو نہیں بتلاتا کہ چلو یہ کر لو تو وہاں قیامت کے دن تمہیں یہ چیز ملے گی جہاں وہ معاد کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کے احکام بیان کرتا ہے وہاں معاش یعنی اس زندگی کے بھی احکام بیان کرتا ہے۔ یعنی انسان کے لیے دونوں جہان کی اصلاح کی ذمہ داری لے کر آتا ہے۔

میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ دین ذمہ دار ہے اس دنیا کی زندگی کا اور آخرت کی زندگی کا، اس دنیا کی زندگی کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ چیز کھاؤ اور وہ چیز نہ کھاؤ جن چیزوں کو منع کرتا ہے وہ اس لئے منع کرتا ہے کہ ان کے کھانے سے جسم کو نقصان پہنچے گا، جب جسم کو نقصان پہنچے گا تو اس کی اثرات تمہاری روح پر بھی پڑیں گے۔ دماغ پر بھی پڑیں گے۔ جب روح پر پڑیں گے اور روح میں خرابی آئے گی تو وہ جو اصلاح معاد ہے نا اس میں بھی خرابی پیدا ہو جائے گی۔

یہ جو ہر ایک جانور ہے نا، اس میں ایک خاصیت ہے خاص، مثلاً لومڑی کے لیے کہتے ہیں کہ وہ بڑی مکار ہے خنزیر کے لیے کہتے ہیں کہ وہ بڑا بے غیرت جانور ہے۔ اسی طرح سے ہر ایک جانور میں کوئی نہ کوئی خاص خصوصیت ہے، یہ مزاج اس کا کہاں سے بنا۔ یہ مزاج ماتحت ہے ان اجزاء کے جس سے اس کا جسم تیار ہوا ہے ان اجزاء کے جمع ہو جانے کے بعد طبیعت بنی اور اس طبیعت سے مزاج بنا مثلاً خنزیر ہے، جس میں بے حیائی اور بے غیرتی کا مادہ مشہور ہے کہ اور جانوروں میں نہیں، خنزیر کے اجزائے جسم کچھ ایسے جمع ہو گئے کہ ان کا خاصہ یہ ہو گیا۔ اختلاط و امتزاج کے بعد یہ ایک خاصیت ان میں پیدا ہو گئی، جس کا نام

ہے بے غیرتی اگر وہی اجزاء کسی انسان کے جسم کا جزو بن جائیں ' تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس میں یہ چیز پیدا نہ ہو جائے ' جہاں تک ہم نے دیکھا ہے یا سنتے ہیں جو لوگ اس کے گوشت کے عادی ہیں ' ان میں یہ خاصیت نمودار ہو جاتی ہے اور بعض میں یہ چیز ذرا چھپی رہتی ہے ۔ اور جب یہ چیز آگئی تو ایمان وہاں نہیں ٹھہرتا کہ رسول اللہ نے فرمایا **من لا حیاء لہ لا ایمان لہ** جس میں حیا نہیں ھے اس میں ایمان بھی نہیں ہے ۔ دیکھئے روح تک پہنچانا ۔

جو شخص اصلاح معاد کیلئے بھی آیگا اس کا فرض ہے کہ وہ اصلاح معاش یعنی اس زندگی کی بھی اصلاح کرے اور یہ بتلائے کہ تمہارے جسم میں فلاں قسم کے اجزا نہیں آنے چاہیں ۔ کیونکہ اگر آئیں گے تو اصلاح معاد نہیں ہو سکے گی ۔ تو اب جو اس کی طرف سے آئے گا وہ ایک طرف معاد یعنی آخرت کے حقائق سے واقف ہو کر آئے گا اور دوسری طرف اس انسان کے ان اجزائے حقیقت سے بھی واقف ہو کر آئے گا وہ یہ سمجھ کر آئے گا کہ اگر فلاں چیز کھا لی گئی تو اس جسم میں فلاں فلاں قسم کے اثرات پیدا ہو جائیں گے لہٰذا وہ بیان کرے گا کہ فلاں چیز کھانا اور فلاں چیز نہ کھانا تو ایک طرف اس چیز کی حقیقت سے واقف ہو گا جس کے لئے کہہ رہا ہے ' اور دوسری طرف انسان کی حقیقت سے واقف ہو گا ' چھوڑ دیجئے وہ چیز جس کو ہم یہ کہا کرتے ہیں ' کہ نبی جو ہوتا ہے وہ طبیب روحانی ہوتا ہے ' اور یہ ڈاکٹر وغیرہ جو ہوتے ہیں یہ طبیب جسمانی ہوتے ہیں ۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ نبی جو ہوتا ہے ایک طرف طبیب روحانی ہوتا ہے اور دوسری طرف طبیب جسمانی ہوتا ہے ' وہ حقیقت جسم سے بھی واقف ہوتا ہے اور اس چیز سے بھی واقف ہوتا ہے کہ کون کون سی چیزیں عالم میں ایسی ہیں جو اس کے جسم میں پہنچنے کے بعد اس کے خواص کو بگاڑ دیں گی ۔

ایک شخص علم طب میں کامل ہو گیا ' اس کا مقصد کیا ہے کہ مریض صحیح

رہے صحت میں رہے ۔ خنزیر کا گوشت کوئی بیماری تو نہیں ڈال دیتا ہے جو لوگ خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں کیا کھانے کے بعد وہ بیمار ہو جاتے ہیں ' ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اور ہٹے کٹے ہو جاتے ہیں جو لوگ شراب پیتے ہیں وہ کہیں بیمار تو نہیں ہو جاتے شراب پی کر۔ بلکہ لوگ تو یہ کہا کرتے ہیں کہ صاحب یہ تو ایسی بہترین چیز ہے کہ اگر اس کا استعمال ہوتا رہے تو انسان کبھی بیمار ہی نہ ہو ۔ یہ فائدے ہیں ۔ اور یہ فائدے ہیں ۔ بلکہ ہم نے سنا کہ بعض بچوں کے لئے لوگ کہتے ہیں کہ ان کو تھوڑی تھوڑی ایک ایک قطرہ شراب پلا دیا کریں تو بڑے تندرست ہو جاتے ہیں ' تو اب جسم کے اعتبار سے تو صحت اور تندرستی نظر آتی ہے ۔ چلیے ڈاکٹر جسمانی صحت قائم کرنے کے لحاظ سے کامل ہوا مگر وہ کتنا ناقص ہے دوسری طرف کہ ان نے جسم انسانی کی حقیقت کو خراب کر دیا ' تو اب کتنا ہی کامل ہو علم طب میں ؟ یہ انسان کامل کہا جائے گا ؟ نہیں کہا جائے گا ۔ اس لئے کہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ صحت حیوانیت ٹھیک رہے ' چاہے انسانیت اس کی تباہ ہوتی رہے اس کی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہے ۔ اب بتلائیں کہ ہم کامل کسے کہیں ؟ اور جب انسان کامل نہ ملے گا اس وقت تک دین کامل اس کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔

دین کامل ایک ناقص کے اگر سپرد کر دیا جائے ' تو حضور چونکہ وہ خود ناقص ہے لہٰذا دین کو بھی ناقص کر دے گا ۔ لہٰذا اب دین کامل جس کے متعلق ہمیں کسی شبہ کی ضرورت ہی نہیں ہے ' کیونکہ قرآن کہہ چکا ہے دین کامل ' اور صاحب دین جو ہے وہ کامل ۔ تو اب ضرورت ہے اس بات کی کہ کوئی ایک ایسا شخص ہو جو ہر جہت سے کامل ہو ۔ اس اعتبار سے بھی کامل ہو کہ حقائق عالم کیا ہیں ۔ قرآن مجید میں آپ کہیں ہمیں دکھلا دیجئے کہ کتے کا گوشت حرام ہے ۔ کہیں دکھلا دیجئے کہ چیل اور کوے کا گوشت حرام ہے ۔ قرآن پاک میں جو چیزیں

حرام کی گئیں ہیں وہ یہ چار پانچ ہیں مخصوص ۔ خنزیر ہے ' خون ہے ' مردار ہے اور وہ ہے جو ذبح کیا جائے اور اس پر خدا کا نام نہ لیا جائے عجیب طریقے سے بیان کیا پروردگار عالم نے ' کہ حصر کر دیا ۔ یعنی سوائے ان چیزوں کے اور کچھ حرام میں دیکھتا ہی نہیں جو میرے اوپر وحی آئی ہے ۔ یہ چیل کہاں سے حرام ہو گئی ۔ کوا اور طوطا کہاں سے حرام ہو گئے ۔ آخر سارے مسلمانوں کے نزدیک حرام ہیں یا نہیں ۔ اس آیت کے پڑھنے کے بعد تو یہ چیزیں حرام نہیں رہتی ہیں ' اب آپ بتایئے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ کتا کیوں حرام ہے یہ چیل کوے کیوں حرام ہیں ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پروردگار عالم نے جن چیزوں کو حرام کیا ' تو کسی نہ کسی علت کی وجہ سے حرام کیا ۔ جب اس نے سب چیزیں پیدا کر دی تھیں ' تو انسان کو ایک عام اجازت دے دیتا کہ جو مل جائے کھا لو ۔ اتنی چیزیں تمہارے لئے پیدا کر دی ہیں ۔ پیدا کرنے کے بعد کہا کہ یہ نہ کھانا تو یہ جو کہہ دیا کہ یہ نہ کھانا ' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز یا اس کے جسم کو نقصان دینے والی ہے ۔ یا اس کی روح کو نقصان دینے والی ہے یا دونوں کو نقصان پہنچانے والی ہے ۔ ہے نہ یہ بات ۔ تو وہ علت قرار دی گئی اس بات کی کہ کہا جائے کہ نہ کھاؤ ۔ لہٰذا یہ علت جہاں جہاں پائی جائے گی ' وہ بھی حرام ہونی چاہیے یا نہیں مثلاً ' کہا گیا کہ شراب حرام ہے کیونکہ نشہ پیدا کرنے والی چیز ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے اگر دوسری چیز نشہ پیدا کرتی ہے تو وہ بھی حرام ہے ۔ پروردگار عالم نے مخصوص چیزوں کو حرام کر دیا اور یہ نہیں بتایا کہ ان میں علتیں کیا ہیں جن کی وجہ سے ہم نے ان کو حرام کہا ۔ جو دین لے کر آیا وہ واقف تھا اس چیز سے کہ یہ چیزیں حرام جو ہوئی ہیں ان کی علتیں یہ ہیں ۔ اب اس نے بیان کیا کہ ان علتوں کے اعتبار سے جن جن جانوروں میں وہ علتیں پائی جاتی ہیں وہ بھی حرام ۔ تو اب اس کا مطلب یہ ہے کہ ھادی وہ ہونا چاہئے کہ جو ایک طرف ان علتوں سے واقف ہو '

اور دوسری طرف ان اسباب سے واقف ہو حتیٰ کے جتنے حقائق ہیں عالم میں ہیں ان سب کی حقیقتوں سے واقف ہو۔ اب تمام عالم میں کسی شخص کو بتا دیجئے کہ وہ ہے۔ جب نہیں ہے تو ہونا چاہیے' دین کامل ہے۔ تو اب دین کامل جو ہے اس کو ایسے شخص کے سپرد کر دیا جائے کہ جو نہ حقائق عالم سے واقف ہو' نہ حقیقت جسم سے واقف ہو اور نہ ان اجزا کی ترکیب سے واقف ہو تو دین کامل ہو گا یا ناقص رہے گا۔ جس کو خدا نے کامل کیا ہے وہ ناقص ہو کر رہ جائے گا۔

میرے بزرگو جس دن یہ کہا نا جناب رسالتمات نے کہ خداوند عالم نے فرمایا کہ آج میں نے دین کو کامل کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ جا رہے ہیں' اور کسی کے سپرد کر کے جا رہے ہیں تا کہ یہ دین اپنے کمال پر باقی رہ جائے۔ یہ دین کامل ہے۔ اس کا کمال گویا جناب رسالتماب کے کمال سے مطابقت رکھتا ہے تو اب یہ سپرد ہو گا اس شخص کے' کہ جس کی حقیقت' حقیقت محمدیہ سے مناسبت رکھتی ہو۔ تو اب ایسے لوگ کون ہو سکتے ہیں وہ وہی ہیں کہ جو اسی نور سے پیدا ہوئے ہوں جس نور سے جناب رسالتماب پیدا ہوئے ہوں۔ اسی لئے رسول اللہ بار بار فرمایا کرتے تھے **انا و علی من نور واحد**

ہشام ابن عبدالملک نے امام محمد باقر علیہ السلام کو بلایا۔ ہشام ابن عبدالملک ایک بادشاہ تھا بنی امیہ کے بادشاہوں میں سے' اور یہ اہل بیت طاہرین کے ساتھ بغض اور کینہ رکھتا تھا چونکہ بادشاہ تھا لہذا وہ سمجھتا تھا جس وقت میں حکم دوں گا حاضر ہوں گے۔ شام میں بلایا' مدینے سے امام محمد باقرؑ کو۔ آپ گئے' محمد امام جعفر صادق کم سن تھے' آپ ان کو بھی لے گئے' اور آپ نے اطلاع بھی بھیج دی کہ اچھا میں آرہا ہوں' لیکن اس نے کوئی انتظام آپ کے لئے نہیں کیا ٹھہرنے کا، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ امام محمد باقرؑ اپنے فضل و کمال کے اعتبار سے مشہور تھے۔ آپ کا لقب ہی باقر العلوم تھا' خود رسالتماب نے یہ لقب

ارشاد فرمایا تھا۔ علامہ سلیمان حنفی اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں لکھتے ہیں کہ جابر ابن عبداللہ انصاری نے رسول سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ کے بعد آپ کے وصی کتنے ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ بارہ ' انہوں نے کہا کہ ذرا مجھکو بتلا دیجئے تاکہ میں یاد کرلوں ' آپ نے فرمایا پہلے علیؑ اس کے بعد حسنؑ ہیں ان کے بعد ان کے بھائی حسینؑ اس کے بعد حسینؑ کے بیٹے علی ہیں جن کا لقب زین العابدین ہے اور جابر ان کے بعد ' ان کا بیٹا ہو گا محمدؐ نام اور باقر لقب اس لئے کہ وہ باقر العلوم ہو گا اور اے جابر تمہیں اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک تم میرے اس فرزند کو دیکھ نہ لو گے اور اے جابر جب تم ان سے ملنا میرا سلام کہنا۔ جناب جابر کی بھنویں بھی سفید ہو گئی تھیں ' کمر جھک گئی تھی ' اور یہ اکثر مسجد میں بیٹھ کر ذکر کیا کرتے تھے کہ میں رسول اللہ کے اس فرزند کی زیارت کر کے مروں گا۔ جابر نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک لڑکا ان کے پاس سے گزرا ' اس لڑکے کی طرف جو نگاہ کی تو اس لڑکے کی رفتار کو دیکھ کر رسول اللہ کی رفتار یاد آگئی۔ تو اب ان کو فوراً خیال آیا تو انہوں نے کہا کہ اے صاحبزادے ' اے جانے والے ذرا آپ آیئے نا۔ میرے پاس آیئے ' وہ وہاں سے چلے ' اب ان کو یقین ہو گیا کہ بالکل یہ وہی رفتار ہے جو رسول اللہ کی رفتار تھی۔ انہوں نے کہا "آپ ذرا معاف کیجئے گا" مجھے کچھ کہنا ہے۔ آپ کا نام کیا ہے ؟ اور آپ کس کے صاحبزادے ہیں تو آپ نے فرمایا انا محمد ابن علی ابن حسین ابن علی ابن ابی طالب۔ میں امام زین العابدین کا بیٹا محمدؐ ہوں اور اے جابر میرے نانا کا سلام تو پہنچاؤ۔ بہرحال لقب جناب رسالتماب نے مرحمت فرمایا تھا۔

امام جعفر صادق اس زمانے میں چھوٹے تھے ہشام نے آپ کو بلایا۔ آپ اپنے صاحبزادے کو لے کر روانہ ہو گئے وہاں پہنچے تو آپ کے ٹھہرنے کا انتظام حکومت کی طرف سے کچھ نہ ہوا۔ آپ ایک سرائے میں جہاں عام طور سے

مسافر ٹھہرتے تھے ٹھہر گئے ۔ ایک صاحب کو اتفاق سے وھاں جانا پڑا ' اس نے آپ کو دیکھا کہ آپ وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں ۔ وہ آپ کے دوستوں میں سے تھے وہ یہ دیکھ کر رونے لگے اور انہوں نے آپؑ سے کہا فرزند رسول دنیا کتنی بے قدری کر رہی ہے آپ نے فرمایا کوئی غم نہ کرو چند روزہ ہے یہ دنیا ' گزر جائے گی ۔ وہ بھی گزر جائیں گے جو جان بوجھ کر یہ ظلم کرتے ہیں ۔

آپ نے ہشام کو پیغام بھیجا کہ ہم آگئے ہیں ' ہمیں کس لیے بلوایا ہے ۔ تین دن تک ہشام نے دربار میں آنے کی اجازت نہ دی ' چوتھے روز دربار میں آنے کو کہا ' جب آپ وہاں پہنچے تو اس نے آپ کو دیکھ کر عمداً منہ دوسری طرف کر لیا ۔ گویا اس نے دیکھا ہی نہیں ' صادق علیہ السلام بھی ہیں آپ کے ساتھ ۔ آپ کچھ دیر خاموش کھڑے رہے ' یہ پے در پے جو روحانی تکلیفیں آپ کو پہنچیں تو آپ کے دل پر صدمہ ہوا ۔ آپ کا یہ دستور تھا ' اور لوگ جانتے تھے اسے ۔ کہ آپ کو جب کبھی روحانی کوفت ہوتی ہے تو آسمان کی طرف دیکھتے ہیں اور جب آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو جس سے تکلیف پہنچی ہے اس پر کوئی نہ کوئی بلا ضرور نازل ہو جاتی ہے ۔ یہ جو کچھ دیر کھڑے رہے اور اس نے کوئی توجہ ہی نہیں کی ' تو آپ کو ایسی تکلیف پہنچی کہ آپ نے آسمان کی طرف دیکھا ۔ ہشام کو اس حقیقت کا علم تھا ' اس نے فوراً دیکھا ' اور کہا کہ اچھا آپ تشریف لائے ہیں ' میں ذرا دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا ۔ مجھے کچھ خبر ہی نہ ہو سکی ۔ معاف کیجئے گا آپ یہاں بیٹھ جائیں اپنے پاس بٹھا لیا ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا ۔ تھوڑی دیر کے بعد امام محمد باقرؑ سے کہنے لگا کہ آج میرا دل کچھ رنجیدہ سا ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا مشغلہ ہو جس سے طبیعت کچھ بہل جائے ' آپ نے فرمایا اختیار ہے تمہیں کوئی جائز مشغلہ ہو تو کیا حرج ہے ' تو اس نے کہا کہ اچھا ' میں یہ چاہتا ہوں کہ آج جن لوگوں نے تیر اندازی کی مشقیں کی ہیں وہ ذرا اپنی مشقیں

دکھلائیں اور ایک مقام پر ایک نشان بنا دیا جائے اور سب وہاں تیر زنی کریں تا کہ یہ معلوم ہو کہ کیسے کیسے کامل لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا حرج ہے کوئی بری چیز نہیں ہے اس نے پہلے سے ایسے لوگوں کو بلایا ہوا تھا، چنانچہ ایک دائرہ دیوار پر بنا دیا گیا، اور ایک نشان لگا دیا گیا دائرے کے بیچ میں، پھر ان لوگوں سے کہا کہ تیر مارو، کسی کا قریب پہنچا، کسی کا دور لگا، اسی نشان سے بہرحال حاضرین مرحبا آفرین اور تحسین کے کلمات کہتے رہے۔ اس کے بعد جب یہ چند آدمی اپنے کمال کا مظاہرہ کر چکے تو ہشام نے کہا کہ آپ بھی تو ایک آدھ تیر ماریئے، ایک جائز چیز ہے کوئی حرج نہیں ہے یہ جانتا تھا کہ آپ اس چیز میں کبھی عمر بھر مصروف ہوئے ہی نہیں، آپ نے فرمایا کہ "میں نے کبھی تیر اٹھایا ہی نہیں اور ضرورت ہی نہیں پڑی، اور میرے پاس نہ تیر ہیں، تم مجھے معاف کرو، میرا کیا تعلق ہے۔ ان چیزوں سے" اس نے کہا "نہیں آپ کو ضرور ایک دو تیر چلانے چاہیں۔" مقصد کیا تھا کہ آپ کا تیر ادھر ادھر جائے گا لوگ ہنسیں گے، ان کو خفت ہو گی، صرف بات اتنی تھی، جب اس نے حد سے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا کچھ تیر منگوا دو، اور ایک کمان کسی سے دلوا دو، اس نے اشارہ کیا ایک کمان اور دس تیر ایک چلے میں ایک شخص نے پیش کر دیئے۔ آپ نے پہلا تیر جوڑا کمان میں، اور اب جو مارا تو ٹھیک اس نکتے کے بیچ میں لگا۔ دیوار کے اندر پیوست ہو گیا، آدھا دیوار میں اور آدھا باہر، اس کے بعد دوسرا تیر جو آپ نے مارا تو جو تیر باہر تھا اس کا جو باہر والا سرا اس کے بیچ میں لگا اس کو شگافتہ کرتا ہوا اسی نقطے پر پہنچا، اس کے بعد تیسرا تیر اس دوسرے تیر کے آخری حصے کے بالکل وسط میں لگا، ایک دو تیروں کے لگنے کے بعد تو لوگ متحیر ہو کر دیکھ رہے تھے، اور اب تحیر ختم ہونے کے بعد تحسین کی آوازیں بلند ہونے لگیں لیکن آپ نے دسوں تیر اسی طریقے پر لگائے۔ ہشام جیسے شرمندہ ہوتا ہے نا ایک

انسان ' جو سمجھتا ہے کہ میں نے یہ اچھا نہیں کیا ' اس چہرے کے ساتھ یہ کہنے لگا کہ "آپ تو کہتے تھے کہ آپ نے کبھی تیر اٹھایا ہی نہیں " آپ نے فرمایا میں نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا کہ "مجھ کو کبھی اس کی ضرورت ہی نہ پڑی کہ میں یہ مشق کروں یا کمان میں جوڑ کر کسی جگہ تیر لگاؤں ' پھر یہ کمال آپ کو کیسے حاصل ہوا آپ نے فرمایا "یہ تو اس لئے نہیں جانتا کہ قرآن کو نہیں جانتا" اس نے کہا قرآن سے اس کا کیا تعلق ہے ۔ ہر شے قرآن میں ہے قرآن نے یہ نہیں کہا **الیوم اکملت لکم دینکم** آج میں نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا ۔ کامل نہ ہوتا اگر ویسے ہی کاملوں کے سپرد نہ کیا جاتا اور وہ ہم کامل ہیں اہل بیت محمد مصطفیٰؐ

بہر حال اس آیت نے یہ واضح کیا کہ یہ انہی کے سپرد کیا کہ جو ہر جہت سے کامل تھے ' اور حقیقت محمدیہ کے اجزا تھے ' اسی لئے رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو میں جا رہا ہوں اور تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن مجید ہے اور ایک میرے اہل بیت ہیں یہ دین ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے سپرد ہو رہا ہے دین ' جب دین کے لئے ضرورت پڑے پوچھنے کی 'تو ان سے پوچھنا کیونکہ یہ اس منزل کمال پر پہنچے ہیں کہ جہاں پہنچنے کے بعد کسی قسم کا انسانی حیثیت سے نقص کا شائبہ باقی نہیں رہتا ۔

اپنے اپنے زمانے میں اور دیگر کمالات کے اعتبار سے امام حسینؑ نے جو مظاہرہ کیا ہے کمال کا ۔ کیسا مظاہرہ ؟ اس وقت صبر کو بیان نہیں کر رہا ۔ مظالم کو برداشت کرنا ' یہ نہیں کہنا چاہتا ہوں ' یہ روزانہ آپ سنتے رہتے ہیں ' میں ایک بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے جو اپنے کمال کو پیش کیا ہے وہ یہ کہ ایسے لوگ بنا لیے کہ کربلا میں پہنچنے کے بعد آسمان مصیبتوں کا ٹوٹ پڑا مگر انہوں نے اف بھی نہ کی ' ایسی عورتیں آپ نے اپنی تبلیغ کے ذریعے سے مہیا کرلیں کہ اتنی مصیبتیں گزر گئیں ' لیکن ایک وقت میں بھی انہوں نے شکایت نہ کی ' مرد وہ تھے 'کہ جن کو آپ اکثر سنا کرتے ہیں کہ تین دن پیاس مگر کبھی کسی نے یہ نام بھی

نہیں لیا کہ پانی بھی کوئی چیز ہے دنیا میں یا نہیں۔ آپ کے یہ کمال کا مظاہرہ تھا، ایسے بچے جنہوں نے تیر کھائے اور خدا کی قسم مسکراتے ہوئے دنیا سے چلے گئے ایسے اصحاب پیدا کر لیے کہ سامنے کھڑے ہو گئے اور پیچھے امام حسینؑ نماز پڑھ رہے ہیں۔ تیر آتے ہیں اور ہڈیوں کو توڑتے ہوئے گزرتے ہیں مگر انہیں یہ پتہ بھی نہیں چلتا ہے کہ کب آیا تیر، اور کب سینے کے پار ہو گیا۔ ایسی عورتیں امام نے بنا لیں کہ وہ خدا کے نام کے لیے اپنے جوان بیٹوں کو قربان کرنے کے لیے آئی تھیں، اس لیے ساتھ آئیں کہ یہ قربانی ہمارے سامنے ہو۔ یہ الفاظ نہیں ہیں یہ واقعات ہیں جن کو روزانہ سنتے رہتے ہیں اور کتب سیر میں یہ چیزیں موجود ہیں کہ ایسی عورتیں ساتھ لائے کہ جوان بیٹوں کو خود انہوں نے رخصت کیا اور یہ کہہ کر رخصت کیا، کہ اس وقت تک میں خوش نہ ہوں گی، اس وقت تک دودھ نہ بخشوں گی، جب تک تیری لاش نہ آجائے گی۔ چنانچہ لاشیں آئیں ان کی تو انہوں نے سب سے پہلا جو کام کیا، وہ سجدہ شکر ادا کیا۔ خدایا تو نے ہمیں جناب سیدہ فاطمہ زہرا کے سامنے سرخرو کیا۔ اللہ اکبر

وھب کا قصہ آپ عام طور پر سنتے رہتے ہیں۔ ان کی ماں نے آواز دی کہ "کہاں ہے میرا بیٹا وھب" وھب نے کہا کہ "حاضر ہوں" اس کی ماں نے کہا کہ "ابھی تک تو تماشہ ہی دیکھ رہا ہے لاشیں آرہی ہیں اور حسینؑ لاشیں اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں، اور تو اس طرح سے کھڑا ہوا تماشہ دیکھ رہا ہے، اسی لیے تجھے ساتھ لائی تھی۔" اس نے کہا "نہیں میں ابھی اپنی جان قربان کروں گا" دل تو دیکھیے ان کا۔ تصور بڑی مشکل سے ہوتا ہے کیونکہ نظیروں کا ملنا ناممکن ہو گیا ہے وہ کہتی ہے "کب تک دیکھتا رہے گا، اور میں کب تک تیرا انتظار کروں گی، کہ تیری لاش آئی ہے۔" اس نے کہا "آپ گھبرایئے نہیں میں ابھی جا رہا ہوں۔" کہا "ہاں" میں اسی لیے تجھے پکار رہی ہوں اور خیمے سے نکلی ہوں کہ تو میرے

سامنے جا" اس نے کہا بہت اچھا میں جاتا ہوں ۔ صبح سے اسلحہ جسم پر سجا ہوا تھا ۔ جانے لگا خیمے کی طرف ۔ کہا " ادھر کہاں جا رہا ہے " اس نے کہا میں اپنی بیوی سے ۔ سترہ دن ہوئے تھے ۔ شادی کو " اپنی بیوی سے اتنا کہہ دوں کہ میں مرنے کے لئے جا رہا ہوں " اس نے کہا " نہیں ادھر جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے اس سے کہنے کی کیا ضرورت ہے ارے یہ شہادت کا مرتبہ ہے ' اور اس میں کسی سے کہنا اور کسی سے مشورہ کرنا " اس نے کہا " نہیں مشورہ نہیں ہے " میں صرف کہنا چاہتا ہوں " گیا ۔ پردہ جو اٹھایا دیکھا کہ پردے کے پاس کھڑی ہے بیوی ۔ اور اس نے دیکھتے ہی کہا کہ " وھب ابھی تک تم زندہ ہو " اس نے کہا " تم میری موت کی کیوں خواہشمند ہو گئیں " تو وہ کہتی ہے کہ " زینب کی بے کلی نہیں دیکھی جاتی ۔ زینب کی مظلومی و بے کسی نہیں دیکھی جاتی ہے میں زینب کے سامنے اس وقت جاؤں گی جب تماری لاش آجائے گی "

یہ امام حسین ؑ کے کمالات کا مظاہرہ تھا کہ جب سے دنیا بنی ہے اس وقت سے آج تک ' کہیں یعنی امکان ہی میں یہ چیز نہ آسکی ۔ اس کے بعد بچیاں لائے بچے لائے ۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کہاں کہاں فریادیں کہیں ہاں دو ایک مقام پر ان کی فریادوں کی آواز آئی ہے ۔ مثلاً بازار کوفہ یا بازا شام سے گزر رہے ہیں قیدی ۔ تو کوٹھوں پر جو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں بعض ایسی تھیں جنہوں نے اپنے ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے تھے ۔ پتھر چلے ہیں ۔ اور ان بچوں پر پڑے ہیں تو ان بچوں کی چیخوں کی آواز اور اس کے بعد جناب زینب کا کہنا ۔ بیٹا زین العابدین بچے زخمی ہو گئے اور جناب زین العابدین کا کہنا " لوگو یہ ہمیں اس طرح سے قید کرکے لئے جا رہے ہیں جیسے حبش و زنگ بار کے لوگوں کو قید کیا جاتا ہے ۔ میں حبش و زنگ بار کا غلام نہیں ہوں ۔ **و جدی رسول وفی کل مشهد ۔** لوگوں میں اسی کا نواسہ ہوں جس کا تم کلمہ پڑھ رہے ہو "

قید خانے میں ایک واقعہ ہو گیا۔ اور وہ یہ کہ ایک بچی کا انتقال ہو گیا۔ حاضرین مجلس ہوا' یہ کہ جس وقت یزید کا دربار ختم ہوا اور قیدی بھیجے گئے تو اس کی محل سرا کے پاس ایک خرابہ تھا ٹوٹا ہوا مکان تھا اس کا حکم یہ ہوا کہ یہ قیدی وہاں بھیج دیئے جائیں۔ آج بھی وہاں آثار نظر آ رہے ہیں کہ کہاں محل سرائے یزید تھی۔ دنیا مٹ گئی۔ یزید مٹ گیا لیکن اس بچی کی قبر آج بھی باقی ہے جب قیدی اس خرابے میں داخل کئے گئے اور دروازہ بند کر دیا گیا تو دن میں اتنا اندھیرا ہو گیا کہ ایک کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا تھا۔ عزاداران اهل بیت اب ذرا آپ اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر سنئے گا۔ تمام قیدی گھبرا گئے۔ انہوں نے کہاں ایسی جگہیں دیکھی تھیں کہ جہاں دن میں بھی اتنا اندھیرا ہو اپنی ماؤں کی گودوں میں بلک بلک کر رونے لگئے۔ ماؤں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ بچوں روؤ نہیں شہزادی کو قلق ہو گا' جناب زینب کو رنج ہو گا۔ جناب سکینہ کچھ زیادہ گھبرا گئیں اور بار بار یہ کہتی تھیں "پھوپھی جان ہم کہاں آگئے" ایک کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا ہے۔ ہم یہاں کیسے زندگی گزاریں گے۔ پھوپھی۔ میرے بابا کب آئیں گے آخر" جناب زینب بچی کو سمجھاتی رہیں صاحبان اولاد' ہمارے آپ کے بچے۔ جب تک سو نہیں جاتے ہیں ہم اس وقت تک روشنی رکھتے ہیں۔ کیونکہ بعض بچے تاریکی میں گھبرانے لگتے ہیں۔ یہ تاریکی اور گھٹن چونسٹھ بی بیاں ان کی گودوں میں بچے۔ جناب سکینہ بہت گھبرا گئیں۔ آپ نے سمجھا کر سکینہ کو سلا دیا۔ رات جو گزری اور دن آیا تو سکینہ نے عرض کیا پھوپھی جان۔ کیا یہاں دن نہیں نکلے گا۔ یہاں تو روشنی ہے ہی نہیں۔ میں گھٹ کر مر جاؤں گی۔ جناب زینب سمجھاتی رہیں۔ یہاں تک کہ جب دوسری شام آگئی تو سکینہ کچھ اتنی زیادہ گھبرا گئی کہ اب جتنا سمجھاتی ہیں جناب زینب اس بچی کو قرار نہیں آتا۔ مسلسل رو رہی ہے اور پکار رہی ہے۔ "بابا! ارے جب آپ گئے تھے تو مجھ سے فرما گئے تھے کہ

میں تجھے لینے کے لئے آؤں گا۔ آپ کہاں چلے گئے۔ میں کیا کروں میں اس جگہ کیسے رہ سکتی ہوں۔ میری روح نکل رہی ہے۔ بابا آیئے" تقریباً آدھی رات تک یہ بچی روتی رہی۔ اس کے بعد کبھی جناب زینب گود میں لیتی تھیں کبھی امام زین العابدینؑ گود میں لیتے تھے کبھی جناب رباب گود میں لیتی تھیں۔ جناب رباب کے دو بچے تھے ایک سکینہ اور ایک جناب علی اصغر۔ سکینہ کو کسی کی گود میں قرار نہیں آتا ہے، آخر تھک کر کچھ آنکھ بند ہوئی، تھوڑی دیر تک یہ سوئی۔ ایک مرتبہ جو اٹھی تو اس نے آزاد دی "پھوپھی جان میرے بابا آئے ہوئے تھے مجھے چھوڑ کر پھر کہاں چلے گئے۔ ابھی ابھی مجھے گود میں لئے ہوئے تھے۔ مجھے پیار کر رہے تھے۔ وہ کہاں چلے گئے ہیں مجھے چھوڑ کر' یہ جو باتیں کرنی شروع کیں۔ تو اھل بیت میں ایک کہرام برپا ہو گیا بے اختیار ہو کر بی بیاں رونے لگیں۔ جب آوازیں بلند ہوئیں تو محل سرائے یزید تک یہی گریہ و پکار پہنچا۔ یہ ملعون جاگ اٹھا کسی سے کہا کہ پوچھ کر آ۔ کہ یہ کیسا شور ہے۔ امام زین العابدین نے کہا کہ "بچی یتیم ہے اس نے خواب میں اپنے باپ کو دیکھا ہے۔ اور اب وہ پکار رہی ہے" یہ تمام بی بیاں اس لئے رو رہی ہیں' تو اس ملعون نے کیا کیا۔ یہ تسلی دینے کے طریقے۔ کہا اچھا باپ کو پکار رہی ہے اس کا سر لے جاؤ۔ حسینؑ کا سر لے جاؤ اور اس بچی کو دیدو۔ یوں تسلیاں دی جاتی ہیں۔ چنانچہ امام حسینؑ کا سر لایا گیا۔ یہ جو بی بیوں نے سنا تو سب کی سب کھڑی ہو گئیں۔ امام حسینؑ کا سر امام زین العابدین نے لیا جس وقت آپ اندر پہنچے سکینہ نے فوراً وہ سر لے لیا اور اسے سینے پر رکھا منہ پر منہ رکھ دیا۔ بابا یہ گلا کس نے کاٹ ڈالا بابا یہ مجھے کس نے یتیم کر دیا۔ بابا آپ تو ابھی آئے تھے تو آپ کی گردن کٹی ہوئی نہ تھی۔ یہ میں کیسے دیکھ رہی ہوں۔ یہ کہتے کہتے رونے لگیں اور چیخ کر رونے لگیں۔ بی بیوں میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ آخر اس بچی کی آواز

کم ہونے لگی۔ جب بالکل اس بچی کی آواز بند ہو گئی۔ تو وہ بی بیاں سمجھیں شاید سو گئی ہے۔ جناب زینب جو قریب پہنچیں اور ہاتھ رکھا تو جسم ٹھنڈا معلوم ہوا۔ جناب زینب نے آواز دی بیٹا زین العابدین جلدی آؤ ارے سکینہ اپنے باپ کے ساتھ جا رہی ہے۔ چنانچہ امام زین العابدین جب آئے تو دیکھا کہ سکینہ رخصت ہو چکی تھی۔ اس بچی کی قبر وہیں بنی اس قید خانے میں۔ حاضرین مجلس۔ ارے یہ قبرستان نہ تھا یہ قید خانہ۔ اگر کوئی قیدی مرجاتا تھا ان کا قبرستان الگ تھا اس میں جو قبر بنی اس بچی کی تو غالبًا اس کی وجہ یہی ہے کہ کوئی جنازہ اٹھانے والا نہ تھا۔ جب اہل بیت چھوٹ کر جانے لگے تو جناب زینب نے شام کی عورتوں سے کہا کہ "بی بیو ہم جا رہے ہیں" میں اپنے بھائی کی ایک نشانی چھوڑے جا رہی ہوں۔ ارے جب کبھی آنا تو اس بچی کی قبر پر ذرا سا پانی چھڑک دیا کرنا"

عید مباہلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

فمن حاجک فیہ من بعد ما جاء ک من العلم فقل تعالوا ندع ابناء نا وابناء کم ونساء نا ونساء کم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنت اللہ علی الکذبین

حاضرین! یہ آیت مبارکہ صاف ظاہر کر رہی ہے کہ کوئی واقعہ ہے ایسا کہ جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یعنی یہ کوئی حکم نہیں ہے جس طرح نماز پڑھنے کا حکم ہے یا روزہ کا حکم ہے۔ اور یہ چیز بھی واضح ہے کہ یہ واقعہ عہد سابق میں نہیں ہوا بلکہ زمانہ رسول ؐ میں ہوا۔ اور کچھ لوگ تھے جن سے رسول اللہ ؐ نے حکم خدا کے بعد یہ کہا کہ "تم اپنے بیٹوں کو لے آؤ۔ ہم اپنے بیٹوں کو لے آئیں۔ تم اپنی عورتوں کو لے آؤ ہم اپنی عورتوں کو لے آئیں۔ تم اپنے نفسوں کو لے آؤ۔ ہم اپنے نفسوں کو لے آئیں۔ اور اس کے بعد ابتہال کریں۔ "

ابتہال ' اسی سے مباہلہ نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں خدا کی بارگاہ میں گڑ گڑانا ' عاجزی کرنا ' یا الحاح وزاری کرنا۔ بہرحال دو فریق ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے اگر کوئی انکار کرے تو اس کا فرض ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ پیش کرے کہ یہ ہوا اور اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ (لیکن اگر پیش نہیں ہوا اور) اہل اسلام کی تفسیروں اور تاریخوں میں آگیا یہ واقعہ ' تو اب اس سے چشم پوشی کرنے کے کیا معنی۔

جناب رسالتمابؐ کو اللہ نے فتح مبین عطا کی۔ یعنی مکے کے اوپر آپ کا قبضہ ہو گیا۔ اور اہل مکہ آپ کے مطیع ہوگئے۔ تو اب جناب رسالتمابؐ کے حالات جو تھے، وہ بالکل بدل گئے۔ یکایک ایک تغیر پیدا ہو گیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب تک مکہ فتح نہیں ہوا تھا اس وقت تک بہت سے قبیلے ایسے تھے کہ جو اگرچہ سمجھ چکے تھے کہ جناب رسالتمابؐ نبی ہیں مگر اسلام قبول کرنے سے رکے ہوئے تھے۔ وہ اہل مکہ سے خائف تھے۔ اور ڈر رہے تھے کہ اگر لڑائی ہوئی اور اہل مکہ کامیاب ہوگئے۔ تو خدا جانے ہمارا کیا حشر ہو۔ اس لئے بہت سے لوگ اپنے اپنے مقامات پر خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ سرداران مکہ بہت سے قبائل کے حلیف تھے۔ آپس میں معاہدے تھے کہ ہم سے کوئی لڑے گا۔ تو تم کو بھی لڑنا ہے۔ تم سے کوئی لڑے گا تو ہم بھی لڑیں گے تمہاری مدد کے لئے۔ تو ابؐ ایک طرف مکے کے قبائل اور بہت سے دیگر قبائل کے ایمان لانے میں یہ رکاوٹ بھی موجود تھی۔ جب جناب رسالت مابؐ کو خداوند عالم نے یہ فتح عطا کی تو اس کے بعد آپ تاریخوں کو دیکھئے لوگ آتے تھے۔ اسلام قبول کرتے تھے اور پھر اجازت طلب کرتے تھے کہ یا رسول اللہؐ آپ ہمیں اجازت دیں کہ اپنی قوم میں جاکر تبلیغ کریں۔ اس طرح بہت سے قبائل مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ایک طرف تو لوگ اس طرح جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے جس کو خدا نے فتح مبین سے تعبیر کیا ہے۔ اور دوسری طرف جناب رسالت مابؐ کو موقع ملا کہ وہ مختلف مقامات کے لوگوں کو خطوط کے ذریعے دعوت تبلیغ دیں۔

چنانچہ آپ نے حبشہ کی طرف، روم کی طرف اور کئی مقامات کی طرف خطوط روانہ فرمائے کہ میں خدا کا فرستادہ ہوں، تم کو دعوت دیتا ہوں کہ مجھ پر ایمان لے آؤ میرے ساتھ ہو جاؤ تاکہ ہمارا تمہارا کلمہ ایک ہو جائے۔

جہاں اور لوگوں کو خطوط لکھے گئے وہاں ایک مقام تھا نجران ' وہاں بھی ایک خط روانہ کیا گیا۔ نجران مدینے سے تقریباً دس منزل کے فاصلے پر تھا۔ منزلیں چونکہ مختلف مسافت کی ہوتی ہیں 'کوئی بارہ میل کی منزل ہے 'کوئی پندرہ میل کی منزل ہے ' جیسا بھی راستہ ہو۔ اگر راستہ ہموار ہے تو پندرہ بیس میل کی بھی ایک منزل ہوجاتی ہے۔ ناہموار راستہ ہو تو دس میل کی بھی منزل ہوتی ہے ' تو اگر آپ کم از کم دس میل بھی رکھ لیں تو سو میل ہوتے ہیں مدینے سے نجران کے۔

نجران اس زمانے میں عیسائیوں کا ایک بہت بڑا مرکز تھا۔ اور اس کی اہمیت اتنی تھی کہ بادشاہ روم بھی ' جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تھا ' تو ان لوگوں سے مذہب کے اعتبار سے بھی اور دنیا کے اعتبار سے بھی مشورے لیا کرتا تھا۔ تین آدمی یہاں کے بڑے مشہور تھے۔ ایک وہ تھا جو مذہبی حیثیت سے سب سے بڑا تھا۔ ایک وہ تھا جس کی رائے اور تدبیر لوگوں کے نزدیک مسلم تھی ' ایک وہ تھا جس کے پاس دولت اور مال بہت زیادہ تھا۔

جب یہاں کے پادری کو آپ نے خط بھیجا ' تو اس نے یہ چاہا کہ وہ خود کوئی فیصلہ نہ کرے ' اس نے اطراف و جوانب جتنے عیسائی تھے ' ان کو خطوط بھیج دیئے۔ یہاں تک کہ روم میں بھی خط بھیجا۔ ان خطوط میں یہ تحریر کیا ' آؤ ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کریں۔ اور میرے پاس جو دعوت اسلام کا خط آیا ہے ' اس کا جواب دیں۔

چنانچہ میٹنگ کی ایک تاریخ مقرر کر دی گئی اور اتنے لوگ ادھر ادھر سے اکٹھے ہو گئے کہ نجران میں کوئی جگہ خالی نہ رہی۔ جلسہ منعقد ہوا ' اور سب سے بڑا پادری وہاں کا کھڑا ہوا۔ اس نے سب کو وہ خط پڑھ کر سنایا ' کہ دیکھو محمد مصطفیٰ نے یہ خط بھیجا ہے اور ہم کو دعوت تبلیغ دی ہے۔ اب بتلاؤ کہ ہم اس

معاملے میں کیا کریں ۔ اگر ہم نہیں مانتے تو ممکن ہے کہ وہ ہم پر دھاوا بول دیں

جیساکہ عام طور پر دستور ہے کہ اہم معاملے میں ' کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے ۔ یہاں بھی لوگوں نے تقریریں شروع کر دیں ' بعض وہ تھے جنہوں نے کہا ' کوئی پرواہ نہیں ہے ' ہم جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں ' بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ اتنی جلدی نہ کرو یہ معمولی مسئلہ نہیں ہے ۔ اس میں بہت غور و فکر کی ضرورت ہے ۔ سمجھ کر ٹھنڈے دل سے باتیں کرو ۔ ایک شخص کھڑا ہوا ' اور بولا " دیکھو ' جس شخص نے خط لکھا ہے ' اس کے حالات تم نے سنے ہوں گے کہ اس کا کردار کیسا ہے ' اس سے کیا کیا چیزیں ظاہر ہوئی ہیں ' کیا کیا احکام اس نے سنائے ہیں ' ایسی چیزیں جو معلوم ہوئی ہیں ' ان میں یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک عام آدمی نہیں ہے ۔ اچھا یہ بتلاؤ کہ کیا ہماری کتابوں میں یہ نہیں لکھا ہوا کہ ایک نبی آنے والا ہے اور وہ ایسا ہو گا جس کا دین تمام عالم میں پھیل جائے گا ۔ جب یہ لکھا ہوا ہے تو پھر غور کر لو کہیں یہ وہی تو نہیں ہے ۔ اگر وہی ہوا اور تم نے اس کی مخالفت جاری رکھی ' تو تم نہ عیسائیت میں رہے اور نہ ہی صحیح دین حاصل کر سکے ۔ اس نے جو یہ کہا تو کچھ لوگ اور کھڑے ہو گئے اور انہوں نے رسول اللہ کے حالات بیان کرنے شروع کر دیئے ۔ کسی نے کہا میں خود وہاں جا چکا ہوں ' اور ساری حالت آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں ' بوریئے پر بیٹھتا ہے ' یتیموں اور مسکینوں کی بہت مدد کرتا ہے ۔ کوئی طمطراق کی چیز نہیں ہے ' دیکھنے میں بظاہر ایک عام سا آدمی لگتا ہے ' لیکن اس کی زبان سے جو چیز نکلتی ہے وہ دنیا کو متحیر کر دیتی ہے ۔ بہرحال اس قسم کی تقریریں ہوتی رہیں ۔ اور بڑا پادری جو تھا ' وہ سنتا رہا ۔

ایک دن کا جلسہ ختم ہو گیا ۔ دوسرے روز پھر جلسہ ہوا اور اسی قسم کی

حیث و بحث میں ختم ہو گیا۔ تیسرا دن جب آیا' تو اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ یہاں کے بڑے بڑے لوگ جو ہیں وہ جائیں' خود حالات کا مشاہدہ کریں اس سے باتیں کریں اور اگر وہ نبی ہے تو اس پر ایمان لے آئیں اور اگر نہیں ہے تو کم از کم ہمیں بتلا دیں' تاکہ ہم اس کی طرف توجہ نہ کریں۔

جب یہ چیز طے ہو گئی تو اب لوگ منتخب ہوئے کہ کتنے جائیں تو تین تو یہی تھے جن کے صفات میں نے عرض کئے اور ان کے علاوہ ستر (۷۰) آدمی اور تھے' وہ بھی منتخب ہوئے کہ ساتھ جائیں۔ کچھ ان ستر (۷۰) میں خدام تھے' کچھ پڑھے لکھے آدمی تھے۔ کچھ رائے اور مشورے میں شریک ہونے والے تھے۔

اتنے لوگ جب وہاں سے چلے اور ان کا جلوس نکلا ہے نا' شہر سے تو اس شان سے نکلا ہے کہ سب سے بڑا پادری جو تھا نا' نجران کا' غالباً اس کا نام عاقب تھا' وہ سب سے آگے گھوڑے پر سوار تھا' اس کا بھائی اس کے گھوڑے کی باگ پکڑے پیدل تھا' اور باقی لوگ پیچھے تھے۔ اس جلوس کو دیکھنے اور الوداع کہنے کے لئے جتنی دنیا تھی عیسائیوں کی وہ سب کی سب مکانوں کی چھتوں اور گلی کوچوں میں جمع تھی۔ اس شان سے یہ جلوس نکلا تھا' شاید اس سے پہلے کبھی نہ نکلا ہو۔

اس ہجوم میں بڑے پادری کا بھائی جو گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے تھا' اس کو ٹھوکر لگی اور وہ گر گیا' اس کی پیشانی پر پتھر لگا کچھ چوٹ آگئی' خون نکلنے لگا اس کی زبان سے معاذ اللہ توبہ توبہ کچھ نازیبا کلمات نکلے۔ جناب رسالتمابؐ کے بارے میں۔ یہ جو گھوڑے پر سوار تھا' اس نے فوراً ہی اپنے بھائی کو مخاطب کر کے کہا "خدا تجھے ہلاک کرے" اس نے کہا "بھائی آپ نے میرے لئے یہ بددعا کیوں کی" اس نے کہا "تو نے محمدؐ کے بارے میں کیوں کہا"۔ اس نے کہا کہ "میں نے اس لئے کہا کہ آج اس پریشانی میں انہوں نے ہم کو ڈال رکھا ہے

کہ ہم جا رہے ہیں۔ راستے کی مصیبتیں اور اٹھانی ہیں' اخراجات بھی ہوں گے۔ اگر وہ ہمیں دعوت نہ دیتا' تو نہ میں گرتا نہ چوٹ لگتی اس لئے میں نے یہ بددعا دی " اس نے کہا ذرا میرے قریب آ جب وہ قریب ہوا۔ تو اس نے اپنے بھائی کے کان میں کہا کہ "جس کے پاس ہم جا رہے ہیں تم یقین کر لو کہ وہ سچا نبی ہے "۔ اس نے حیران ہو کر کہا کہ اگر سچا ہے تو پھر ہمیں کیوں نہیں مان لیتے۔ وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے کہا "اگر آج ہم یہاں مان لیں گے تو جتنی زمینیں ملی ہوئی ہیں۔ جتنے مکانات ہیں' جتنے آرام و آسائش کے یہ سامان مہیا ہیں آج ہی چھین لئے جائیں گے۔ پھر ہم کیا کریں گے۔ اس لئے جانا تو خواہ مخواہ ضروری ہے "۔ دیکھئے جاننے کے بعد یہ ہوتا ہے انسان سمجھتا ہے کہ یہ معاملہ حق ہے۔ لیکن جاننے کے بعد بھی خواہشات نفسانی اور اغراض ذاتی اسے اقرار نہیں کرنے دیتے۔ یہ چیز اس وقت سے چلی آرہی ہے جب سے انسان اس زمین کے اوپر آیا۔

خیر بہرحال یہ قافلہ روانہ ہوا شہر کے باہر تک یہ سب لوگ آئے۔ اس کے بعد رخصت ہو گئے اب ستر (۷۰) آدمی وہ تین یہ' سردار ان کے روانہ ہو گئے۔ جب مدینے کے قریب پہنچے تو شہر سے باہر انہوں نے اپنے ڈیرے ڈال دیئے۔ خیمے وغیرہ نصب کیے دوسرے روز تیاری کی کہ جناب رسالتماب کی خدمت میں پہنچیں چنانچہ انہوں نے لباس سفر اتار کر بہترین لباس پہنے۔ ایسے شاہانہ کپڑے پہنے جن کو مدینے والوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایسے لوگ بھی تھے جن کے متعلق یہ ہے کتابوں میں کہ ان کی انگلیوں میں جو انگوٹھیاں تھیں ان کے نگینے ایسے تھے کہ جب یہ مدینے کی گلیوں سے گزر رہے تھے تو انکی چھوٹ دیواروں پر پڑ رہی تھی۔ مدینے والے ان کو دیکھ کر حیران تھے۔ کہ دنیا میں ایسے لباس بھی ہوتے ہیں ایسی شان و شوکت بھی ہوتی ہے۔

اس شان سے یہ گئے ۔ جناب رسالتمابؐ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے اور ایک بوریا تھا جس پر بیٹھے ہوئے تھے ۔ جس وقت یہ مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے رسول اللہؐ کو سلام کیا ' رسول اللہؐ نے ان کی طرف دیکھا اور دوسری طرف منہ کر کے بیٹھ گئے ۔ یہ اس طرف سے آئے ہیں اور پھر سلام کیا آپ نے پھر دوسری طرف منہ پھیر لیا ۔ جدھر پہلے بیٹھے ہوئے تھے کوئی بات نہ کی یہ تھوڑی دیر تو کھڑے رہے پھر واپس اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے ۔

یہ ۹ ہجری کا واقعہ ہے ۔ کچھ لوگ تھے جو مدینے سے نجران آتے جاتے تھے ۔ تو اب ان لوگوں نے مسلمانوں سے کہا کہ " یہ کیا معاملہ ہے ۔ ہم تمھارے شہر میں آئے تم ایسی ایسی تعریفیں کیا کرتے تھے اپنے نبی کی ' کہ ایسے خلیق ہیں ایسے حلیم ہیں ایسے بردبار ہیں مگر تم نے دیکھا کہ انہوں نے ہم سے بات بھی نہیں کی ۔ جواب سلام کے علاوہ انہوں نے ہم سے یہ بھی نہ پوچھا کہ کون ہو کہاں سے آئے ہو " مسلمان گھبرا گئے کہ رسول اللہؐ نے یہ کیا کیا ۔ ایک دوسرے کے ساتھ چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں ۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ معاملہ کیا ہے ۔ جتنے منہ اتنی باتیں کوئی کچھ کہتا ' کوئی کچھ کہتا ۔

آخر میں مسلمانوں نے کہا کہ آج جانے دو کل تم پھر چلنا معلوم نہیں آج ایسا کیا واقعہ ہوا ہے کہ جس کی وجہ سے رسول اللہؐ نے آج تم سے بات نہیں کی ۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو آئے ہی اسی لئے تھے ۔ کل پھر چلیں گے ۔ چنانچہ دوسرے روز بھی اسی شان و شوکت سے آئے رسول اللہؐ نے پھر وہی سلوک کیا جو پہلے دن کیا تھا جواب سلام دے دیا لیکن بات تک نہ کی یہ بھی نہیں کہا کہ بیٹھو اب یہ بڑے بد دل ہو کر اٹھے ۔ مسلمان اور زیادہ گھبرا گئے کہ یہ عجیب سی بات رسول اللہؐ سے کیا ہو رہی ہے ۔ دوسرے روز سوچتے رہے یہ ۔ آخر میں کسی نے کہا کہ چلو علی ابن ابی طالب کے پاس اور ان سے پوچھو کہ یہ کیا ہوا ہے اس

لئے کہ ان سے بہتر رسول اللہؐ کا مزاج دان اور کوئی نہیں ہے۔

چنانچہ یہ سب علیؓ کے پاس آئے اور دریافت کیا یا علیؓ یہ کیا ہوا۔ رسول اللہؐ سے تو کبھی یہ امید ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کیا ہوا۔ ان سے جا کر کہو کہ اسی لباس سفر میں آؤ جس لباس میں یہاں پہنچے ہو۔ اس کے بعد میں ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ انہوں نے جا کر کہا کہ " دیکھئے " بات یہ ہے کہ آپ جس شان و شوکت کے ساتھ گئے تھے۔ اس کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ رسول اللہؐ کو اور مسلمانوں کو مرعوب کرنا چاہتے ہوں۔ تو رسول اللہؐ کو یہ چیز آپ کی اچھی نہیں معلوم ہوئی۔ لہٰذا آپ اسی لباس سفر میں جائیں۔ جیسے کوئی مسافر جاتا ہے کسی کے ہاں۔

انہوں نے کہا، اچھا یہ بھی کرلیں گے۔ چنانچہ انہوں نے وہ شاھانہ لباس اتارا، انگوٹھیاں وغیرہ اتار دیں، اسی لباس سفر میں پہنچے۔ اب جو رسول اللہؐ کے سامنے گئے تو رسول اللہؐ اٹھ کھڑے ہوئے ان کی تعظیم کے لئے۔ آپ نے اپنے پاس بٹھلایا ان کی مزاج پرسی کی وطن کے حالات دریافت کیے۔ محبت بھری باتیں کیں۔ اور جب یہ باتیں ہو چکیں تو انہوں نے کہا کہ " ہم آپ کے پاس آئے ہیں اور کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ جس چیز کی آپ نے دعوت دی ہے۔ اس کے بارے میں آپ سے کچھ سوالات کرنے ہیں " آپ نے فرمایا " جلدی کیا ہے آپ ہمارے مہمان ہیں " ان خیموں کو چھوڑیئے ہمارے پاس آجایئے۔ ہم جس طرح سے ہیں اسی غریبانہ حیثیت میں ہمارے پاس کچھ دن مہمان رہیے۔ ابھی تو آپ کی تکان سفر بھی نہیں اتری ہے اور جب آپ چند روز رہیں گے۔ تو آپ کو ہمارے حالات بھی معلوم ہونگے۔ ایک دن میں تو آپ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ ہماری کیفیات کیا ہیں۔ ہم کس طرح سے تبلیغ کرتے ہیں یا ہمارے مذہب میں جو احکامات آئے ہیں ہم ان پر عمل کس طرح کرتے ہیں۔ "

بہرحال کچھ روز مہمان رکھا ان کو، اور کچھ دن گزرنے کے بعد انہوں نے خود ہی کہا کہ " دیکھئے کہ ہم یہاں ادھر ادھر پھرے ہیں ہم نے لوگوں کے حالات بھی دیکھے ہیں اب ہم چاہتے ہیں کہ جس مقصد کے لئے آئے ہیں۔ وہ بھی پورا کریں " تو آپ نے فرمایا کہ " اچھا کل ہم اور تم مل کر باتیں کریں گے " چنانچہ وقت مقرر ہو گیا۔

دوسرے دن باتیں شروع ہوئیں۔ بہت سے سوالات انہوں نے کیے۔ رسول اللہ ؐ جواب دیتے رہے اور یہ سن کر خاموش بھی ہوتے رہے۔ آخر انہوں نے پوچھا کہ یہ بتائیے " آدم ؑ کا باپ کون تھا " آپ نے فرمایا کہ " وہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے " انہوں نے پوچھا " نوح ؑ " کا باپ کون تھا ، " ابراھیم ؑ " کا باپ کون تھا " آپ نے جواب دے دیا یہ باتیں ہوتی رہیں آخر میں انہوں نے کہا کہ " اچھا آپ یہ بتلائیں کہ " حضرت عیسیٰ ؑ کا باپ کون تھا " آپ بھی ان کو نبی سمجھتے ہیں ان کا احترام کرتے ہیں یہ بتلائیں کہ ان کا باپ کون تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ " پرورگار عالم نے ان کو بغیر باپ کے پیدا کیا " اس پر وہ کہنے لگے کہ " یہ کیسے ہو سکتا ہے " جب ماں ہے تو باپ بھی ضرور ہو گا۔ آدم ؑ کے لئے آپ نے کہہ دیا کہ نہ ماں ہے نہ باپ ٹھیک ہے لیکن عیسیٰ ؑ کے لئے جب ماں موجود ہے اور اس کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ باپ نہ ہو " آپ نے فرمایا کہ اچھا تم ان کے باپ کو کیا سمجھتے ہو ؟ " انہوں نے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ خدا ان کا باپ ہے "

اب آیت نازل ہوتی ہے کہ میرے حبیب ان سے یہ کہدو **ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون** ○ عیسیٰ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے آدم کی ، آدم کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا اور کہا کہ ہوجا اور وہ ہو گئے تو جب وہ اس پر قادر ہے کہ بغیر ماں اور باپ کے صرف " ہو جا " کہنے پر

پیدا کر دے تو جب ماں موجود ہو تو پھر پیدا نہیں کر سکتا' یہ تو بدرجہ اولیٰ آسان ہے اس کے لئے اب چونکہ کوئی اور سوال باقی نہیں رہا تھا لہٰذا اس پر انہوں نے کج بحثی شروع کر دی اور کہا کہ "یہ ممکن ہی نہیں ہے اگر پیدا کرنا تھا تو ایسے ہی پیدا کر دیتا جیسے آدمؑ کو کیا تھا۔ ماں کی بھی کیا ضرورت تھی اور جب ماں کی ضرورت تھی تو جس طرح سے تمام دنیا کو پیدا کیا ہے اسی طرح سے پیدا ہونا چاہئے تھا" بہرحال ان کی طرف سے ہٹ دھرمی اور ضد شروع ہو گئی۔

جب کافی دیر گزر گئی تو پروردگار عالم نے یہ آیت بھیجی۔ جس کو میں نے آپ کے سامنے ابتداء میں پڑھا۔ یہ سب چیزیں جاننے کے بعد بھی' حجت بازی کر رہے ہیں تو اب میرے حبیب مناظرہ چھوڑ دو۔ مناظرہ کے تو یہ معنی ہیں نا۔ کہ ایک امر حق معلوم کرنے کے لئے گفتگو کی جائے تو یہاں یہ چیز تو ہے نہیں' کج بحثی شروع ہے لہٰذا مناظرہ چھوڑو اور مباہلے کی دعوت دے دو۔

مباہلے کے معنی یہ ہیں کہ دو فریق ایک جگہ جمع ہو کر خدا کی بارگاہ میں تضرع وزاری کریں اور عرض کریں کہ پروردگار! ہم میں سے جو جھوٹا ہے اس کے اوپر تو عذاب نازل کر۔

بہرحال یہ چیز رسول اللہؐ کی طرف سے پیش کی گئی اور اس سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ یہ چیز اسی کی طرف سے پیش کی جاتی ہے کہ یا تو حق ہو یا وہ جسے اپنی بات پر مکمل اطمینان ہو۔ جب رسول اللہؐ نے یہ چیز پیش کی تو ان کے لئے سوائے اس کے کہ تسلیم کر لیں اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ انہوں نے کہا " بہت اچھا ہمیں منظور ہے۔ ہم تیار ہیں مباہلہ کریں گے"

مباہلے کے لئے پروردگار عالم نے یہ فرمایا تھا کہ تم بھی اپنے بیٹوں کو لے آؤ ہم بھی اپنے بیٹوں کو لے آئیں گے۔ ہم بھی اپنی عورتوں کو لاتے ہیں تم بھی اپنی عورتوں کو لے آؤ۔ تم بھی اپنی جانوں کو لاؤ ہم بھی لاتے ہیں پھر بارگاہ

پروردگار عالم میں دونوں مل کر دعا کرتے ہیں کہ ہم میں سے جو بھی جھوٹا ہے اس پر عذاب نازل کر دے۔

مجبور ہو گئے۔ یہ طے ہو گئی بات اب یہ اٹھ کر چلے گئے مگر متفکر۔ جناب رسالتمابؐ چونکہ خدا کی طرف سے یہ دعوت دے رہے تھے لہٰذا مطمئن تھے ہی۔ مگر عیسائی بے حد متفکر تھے کہ دیکھو کل کیا ہوتا ہے کیونکہ یہ پہلے سے جانتے تھے کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ ہیں نبی۔

اچھا شام ہوئی۔ یہ اپنے اپنے خیموں میں تھے کہ ایک شخص آکر ان سے ملا جس کا نام تھا منذر۔ یہ چچا زاد بھائی تھا۔ اس سردار کا جو مذہبی حیثیت سے سردار تھا۔ اس کو انبیاء کے حالات اور ان کے کچھ صحیفوں کا علم تھا۔ ہر چیز اسے یاد تھی وہ اس زمانے میں جب نجران میں یہ جلسے وغیرہ ہو رہے تھے۔ مسافرت میں تھا جب مسافرت سے واپس پہنچا تو اس نے پوچھا یہ لوگ کہاں گئے۔ میرا بھائی کہاں چلا گیا۔ لوگوں نے پورا واقعہ بیان کیا۔ یہ فوراً روانہ ہو گیا۔ گھر اس نے بالکل آرام نہ کیا اور اس دن پہنچا جس دن رسول اللہ نے مباہلہ پیش کیا تھا اور ان لوگوں نے منظور کر لیا تھا اور اپنے اپنے ڈیروں پر چلے آئے تھے۔

رات اس نے بھائی سے ملاقات کی اس نے تمام کیفیت بیان کی اور کہا آج یہ چیز طے ہوئی ہے کہ کل مباہلہ ہو گا۔ اس نے کہا کہ "بھائی یہ تو نے کیا کیا اتنی غلطی بھی کوئی کرتا ہے کہ جو تو کر چکا ہے تو نے کتابیں نہیں دیکھیں۔ سب حالات تجھے معلوم ہیں یہ تو اصل میں نبی ہے اگر مباہلے میں اس نے کہیں ہاتھ اٹھا دیئے تو تم میں سے ایک بھی نہیں بچے گا" اس نے کہا "پھر اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا تھا اب صبح کو جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا اب تو میرے ہاتھ میں کوئی تدبیر نہیں۔

صبح ہوئی تو یہ منذر اپنے بھائی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ باہر نکلا اور اِدھر اُدھر

آسمان کو اور صحرا کو اس نے دیکھا اور گھبرا کر آواز دی کہ "بھائی ذرا باہر تو نکل" وہ باہر نکلا تو یہ کہتا ہے کہ "کہ یہ جو افق پر کالے کالے ٹکڑے بادلوں کے دکھلائی دے رہے ہیں خدا کی قسم ایسے ہی بادل وہ تھے جو قوموں کے اوپر عذاب لیکر آتے تھے۔"

ادھر جناب رسالتمابؐ تمام لوگوں کے سامنے عیسائیوں کو مباہلے کی پیش کش کر چکے تھے۔ آیت سنا چکے تھے۔ دن معین ہو چکا تھا۔ اب لوگ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے کہ رسول کا تو کوئی بیٹا ہے نہیں جو بیٹے ہیں وہ رسول کی بیٹی کے بیٹے ہیں۔ حقیقی بیٹا تو کوئی ہے نہیں تو یہ کس کو لے جائیں گے۔ جب لفظ اپنے مقام سے ہٹے گا تو اس میں اور وسعت پیدا ہو جائے گی۔ لہٰذا ممکن ہے کہ اور لوگوں کو لے جائیں۔ لفظ نساء قرآن مجید میں عورتوں کے معنی میں ہے۔ لفظ نساء ماں بیٹی بیوی کے لئے بھی آیا ہے تو اب نساء کا دائرہ اتنا وسیع ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ معلوم نہیں اس لفظ نساء کے اندر کون ہے اس لئے صبح ہی کو پتہ چلے گا اس کی جگہ کون جاتا ہے۔ سوچا یہ جا رہا تھا کہ شاید بیویوں کو لے جائیں اور اگر سب بیویوں کو نہیں تو کم از کم ایک یا دو کو تو لے ہی جائیں گے۔ لفظ نفس ہے جس کا مطلب ہے جان، تو اس کی حقیقت کیا ہوئی۔ انسان کی جان تو وہ خود ہے یہ کہ تم لاؤ اپنی جان کو، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور کو ہی لے جانا ہے تو اب دیکھو نفس کی جگہ یعنی جان کی جگہ کسے لے جائیں گے آپ اندازہ فرمائیں کہ ان باتوں سے سب سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے نا کہ مفہوم حقیقی قرآن جو ہے اس کا جاننے والا وہاں بھی نہ تھا۔

اب کسی کی نہ تو جرأت ہوتی ہے کہ دریافت کرے اور نہ خود رسول اللہؐ فرماتے ہیں۔ رات گزر گئی۔ جس حالت میں بھی گزرنی تھی گزری۔ صبح کے وقت معمول کے مطابق رسول اللہؐ تشریف لائے مسجد میں، جس جس نے یہ

واقعہ لکھا ہے ان حضرات میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا جس کو آپ کے سامنے میں عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ جناب رسالتمابؐ تشریف لائے مسجد میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد منہ پھیر کر اپنے اصحاب کی طرف بیٹھ گئے اب یا اس لئے کہ دیکھیں رسول اللہؐ کیا کرتے ہیں کچھ لوگ گھٹنوں پر زور دیکر کچھ اونچے ہو رہے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خیال ہو کہ مجھے بھی لے جائیں رسول اللہؐ اس لئے ظاہر یہ کرنا ہو کہ میں یہاں موجود ہوں ۔

کچھ لمحے توقف کرنے کے بعد جناب رسالتمابؐ اپنی جگہ سے اٹھے ۔ کوئی بات کسی سے نہیں کی ۔ لوگوں نے راستہ دے دیا آپ خاموش چلے لوگوں نے دیکھا کہ دروازہ جناب سیدہ پر پہنچے اور اس کے بعد گھر میں داخل ہو گئے لوگ باہر منتظر کھڑے ہوئے ہیں تھوڑی دیر کے بعد جو جناب رسالتمابؐ نکلے ہیں ۔ تو اس شان سے نکلے کہ ایک فرزند کی ، امام حسن کی ، انگلی پکڑے ہوئے ۔ امام حسین کو گود میں لئے ہوئے عبا کے دامن کھلے ہوئے تحت الحنک بندھی ہوئی آستین چڑھی ہوئی ایک عجیب سی شان نظر آرہی تھی رسول کی اس وقت ۔ اور اس کے تھوڑے سے فاصلے کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ ایک بی بی ہیں جو چادر میں لپٹی ہوئی ہیں وہ نکلیں اور ان کے پیچھے امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ نکلے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ بی بی فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیھا ہیں ۔ جب یہ جا رہے تھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے قرآن کی لفظیں جا رہی ہیں ۔

میدان مباہلہ تشریف لے جاتے وقت مسلمانوں سے اتنا کہا کہ " دیکھو اس میدان کے قریب سے ہٹ جاؤ ۔ کیونکہ جب میں بد دعا کروں گا تو عذاب نازل ہو گا ۔ ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں پر بھی عذاب نازل ہو جائے جو تم میں سے قریب ہو گئے ہوں "

اس واقعہ مباہلہ میں مجھے جہاں تک معلوم ہے سوائے سلمان فارسیؓ کے

آپ نے کوئی خدمت کسی کے سپرد نہیں کی ۔ سلمان فارسیؓ کے متعلق علامہ مجلسی نے یہ لکھا ہے کہ آپ نے ان سے یہ فرمایا کہ "سلمان جاؤ اور اس جگہ کو صاف کر دو جہاں مجھے بیٹھنا ہے" اور مجھے خیال آتا ہے کہ شاید یہ بھی فرمایا کہ ایک چادر بھی لگا دینا جناب سلمان فارسی گئے ۔ زمین پر جھاڑو دی اور ایک چادر اوپر تان دی ۔

جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو اگر بددعا ہو گئی تو ایسا نہ ہو کہ اور لوگ بھی اس میں شامل ہو جائیں اس لئے تم قریب نہ آنا دور دور سے دیکھتے رہنا ۔ اتنا کہنے کے بعد اس جگہ پہنچے اپنے اہل بیت کو زمین پر بٹھلایا اس کے بعد آسمان کی طرف سر اٹھا کر عرض کرتے ہیں "پروردگار میرے اہل بیت یہی ہیں جن کو میں نے تیری بارگاہ میں حاضر کر دیا" اس کے بعد فرماتے ہیں "میرے اھل بیت خیال رکھنا جب میں ہاتھ اٹھا کر دعا کروں تو تم ہاتھ اٹھا کر آمین کہتے رہنا ۔

وہ لوگ ابھی نہیں آئے تھے ۔ صرف منذر نے اپنے خیمے سے نکل کر بھائی کو آواز دی کہ "دیکھئے فضا کی حالت کیا ہو گئی ہے یہ جو پہاڑ نظر آرہے ہیں تو نہیں دیکھتا کہ ان میں زلزلہ سا محسوس ہو رہا ہے ۔ دیکھ یہ پرندے اپنے پوٹوں کو ٹیکے ہوئے اور پروں کو کھولے ہوئے پڑے ہیں دیکھ یہ چھوٹے چھوٹے کالے کالے بادلوں کے ٹکڑے جو نظر آرہے ہیں میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ ان میں عذاب بھرا ہے" تو اس نے کہا کہ بھائی پھر میں اب کیا کروں تو اس نے کہا کہ "بس کوئی ایسی صورت کر، کہ یہ مباہلہ نہ ہونے پائے" اس نے کہا کہ "اب تو یہی ہو سکتا ہے کہ منذر تم خود جاؤ تمارے لئے آسان ہو گا ۔ تم ہمارے ساتھ مناظرے میں شریک نہ تھے ۔ جلدی جاؤ اور ان سے کہو کہ یا رسول اللہؐ ہم مباھلہ نہیں کرنا چاہتے ہم جزیہ دینے کے لئے تیار ہیں" وہ چند قدم چلا ہی تھا کہ

اس نے پھر آواز دی اور کہا کہ "دیکھو وہ شاید نہ مانیں چند روز یہاں رہنے کے بعد جو حالات مجھے معلوم ہوئے ہیں ان کی بنا پر کہتا ہوں اگر کوئی علیؑ کو سفارش بنا کر لے جاتا ہے تو رسول اللہؐ مان لیتے ہیں تو تو علی کو اٹھا کر ان سے کہنا کہ وہ سفارش کر دیں۔ رسول اللہؐ ضرور مان لیں گے۔

ادھر یہ چلا اور چلتے چلتے اس نے پیچھے منہ کر کے آواز دی اپنے ساتھیوں کو کہ دیکھو ان سے مباہلہ نہ کرو میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں اگر ان کے ہاتھ بددعا کے لئے اٹھ گئے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے ان سے مباہلہ نہ کرنا۔ سب لوگ گھبرا گئے کانپنے لگے۔ یہ پہنچا وہاں اور امیرالمومنین کو ایک شفیع بنا کر رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچا اور کہنے لگا "یا رسول اللہؐ ہم آپ سے مباہلہ نہیں کرنا چاہتے جو کچھ آپ ہمارے لئے جزیہ مقرر کرتے ہیں ہم اس کے لیے حاضر ہیں" رسول اللہؐ نے فرمایا "میری یہ خوشی تو نہیں ہے کہ مخلوق خدا تباہ ہو جائے اگر تم نہیں چاہتے ہو تو میں یہ کب چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شخص ہلاک ہو اس کے بعد جزیہ مقرر ہوا اور انہوں نے فوراً مان لیا یہ منذر جو تھا یہ وہیں مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد یہ جو آیا تھا سردار بن کر بعد میں اس نے اسلام قبول کیا۔ یوں یہ مرحلہ طے ہوا اور اہل بیت کے صدقے میں اسلام کا بول بالا ہوا۔ جناب رسالتمابؐ کی فتح ہوئی اور عیسائیوں کو شکست ہوئی۔

جناب رسالتمابؐ کو حکم ہوا تھا کہ تم اپنے بیٹوں کو لاؤ۔ آپ جانتے ہیں عربی میں تین صیغے ہیں واحد، تثنیہ اور جمع۔ دیکھئے رسول اللہؐ دو بچوں کو لے جانے والے تھے۔ لہٰذا تثنیہ کا صیغہ ہونا چاہئے تھا۔ نہ لیتا خدا نام، مگر اتنا کر دیتا کیونکہ ہونے والا یہی تھا۔ مگر جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ لفظ نساء کی جگہ جانتا تھا کہ ایک ہی جائیں گی۔ تو یہاں جمع کہنے کی کیا ضرورت تھی کہہ دیتا کہ ایک بی بی کو لے جاؤ۔ اسی طرح انفسناء میں کیا ضرورت تھی کہ جمع کے صیغے استعمال

ہوں - یہ جمع کے صیغے کیوں استعمال ہوئے ؟

اگر ایک ایک یا دو ہوتے نا تو اس میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ خدا نے جب حد معین ہی کر دی کہ ایک کو لے جاؤ تو لے گئے ایک کو - دو کہہ دیا تھا تو لے گئے دو کو - جن کو لے گئے وہ قریب تر تھے - جمع کے صیغے رکھے کہ جن میں اتنی گنجائش تھی کہ مجازی حیثیت سے کئی آسکتے تھے - سمجھے آپ - صیغوں میں اس قدر گنجائش کا ہونا اور عملی حیثیت میں دو اور ایک ایک کا جانا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اور کوئی تھا ہی نہیں جو میدان مباہلہ میں جا سکتا -

اب اس مقام پر ایک بات اور عرض کر دوں - کہا یہ گیا تھا کہ مباہلے میں ان پر لعنت کرنی ہے جو جھوٹے ہیں - ان پر لعنت کرنی ہے - یعنی یہ کہنا ہے کہ پروردگار تو ان سے بیزار ہو جا - ان کے اوپر عذاب نازل کر یہاں آکر مناظرہ تو نہیں کرنا ہے - جو مناظرہ تھا وہ تو ہو چکا - آج تو یہی ہونا ہے کہ تم میں سے کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے - اس کے لئے مباہلہ ہونا ہے کیوں میرے بزرگو ذہن میں آئی یہ بات ' یہ نہیں ہے کہ وہاں پر پھر بحث ہوگی - بحث کا معاملہ تو ختم ہو چکا ہے - جس نے جھوٹ بولا ہے وہ جھوٹا ہے جس نے سچ بولا ہے وہ سچا ہے - آج صرف یہ کہنا ہے کہ جس نے جھوٹ بولا ہو اس پر عذاب نازل ہو - بس اتنا ہی مقصد ہے بحث نہیں ہو گی -

ایک علم اصول کا مسئلہ عرض کردوں ' ایک شخص عمر بھر کافر رہا وہ کل مسلمان ہو گیا اب وہ چلا آرہا ہے کیا آپ یہ کہیں گے کہ وہ کافر آرہا ہے ' نہیں کہیں گے نا - کیوں ؟ تھا کبھی وہ ختم ہو گیا - اب یا نام لیکر کہیں گے فلاں آرہا ہے اور اگر یہ صفت ہی بیان کرنی ہے تو آپ کہیں گے وہ مسلمان آرہا ہے اس کی مزید توضیح کر دوں یہ بڑی معرکتہ الارا بحث ہے - مشتق اور منسوب کی - مشتق جیسے قاتل ' ظالم نسبت کے اعتبار سے جیسے لاہوری ' پشاوری یہ ہیں

منسوبات ' پشاور اور لاہور کی طرف نسبت ہے کافر ' ظالم ' عالم ' جاہل وغیرہ یہ ہیں مشتقات ۔ اگر کسی نے قتل کر دیا ہے کبھی ' اور اس کو دس سال گزر چکے ہیں جا رہا ہے ۔ تو آپ کہہ سکتے ہیں نا ۔ وہ قاتل جا رہا ہے ۔ تو قاتل بھی مشتق اور کافر بھی مشتق ہے مگر یہاں وہ لفظ جو پچھلا آرہا ہے وہ رہے گا لیکن وہ کافر آرہا ہے اسے آپ اس طرح نہیں کہہ سکیں گے ۔ یہ دو ہی مثالیں ہیں اب کاذب جو ہے وہ بھی تو مشتق ہے نا ۔ اب ان دونوں چیزوں میں کوئی سی بات فرض کر لیجئے کہ وہ لفظ رہ جاتا ہے پہلا جو تھا یا وہ فرض کر لیجئے کہ نہیں رہتا ۔ یہاں کاذبین جو آیا ہے وہ مطلق حیثیت سے ہے جس نے پہلے جھوٹ بولا ہے یعنی مباہلے سے پہلے جس نے جھوٹ بولا ہے اب تو جھوٹ بولنے کا موقع ہی نہیں کیونکہ بحث ہی نہیں ہے تو اب جو یہ آیا ہے کہ ہم جھوٹوں پر لعنت کریں گے ان جھوٹوں سے کیا مراد ہے یہ نہیں ہے کہ اس وقت جو جھوٹ بول رہے ہیں اس وقت تو بحث نہیں جو اس سے پہلے بول چکا ہے یہ وجہ تھی کہ جو رسول اللہؐ نے کہا کہ دیکھو قریب نہ آنا کیونکہ اب سے پہلے جس نے بھی کبھی جھوٹ بولا ہے عمل کے اعتبار سے کاذب ہے یا قول کے اعتبار سے کاذب ہے میری بددعا شامل ہو جائے گی ۔ لہٰذا الگ رہنا ۔

اب آپ اس سے اندازہ کیجئے کہ یہ کون ہیں جو میدان مباہلہ میں آئے اور آخری بات یہ اور عرض کردوں کہ پروردگار عالم نے عجیب شان سے یہ چیز ارشاد فرمائی ہے ۔ (**فمن حاجک فیہ من بعد ماجاء ک من العلم الخ**) جناب رسالتمآب نصاریٰ سے باتیں کر رہے تھے ۔ مانتے نہیں تھے ۔ کج بحثی کر رہے تھے ۔ تو پروردگار عالم کو یہ چاہیے تھا کہ فرماتا کہ اب یہ لوگ نہیں مانتے ۔ ان سے مناظرہ چھوڑ دو ۔ مباہلہ کر لو ۔ مگر یہ نہیں کہا ۔ ارشاد ہوا " جو شخص بھی تم سے کسی معاملے میں حجت بازی کرے اس سے یہ کہہ دو " اس کا مطلب یہ ہے

کہ وقتی حیثیت سے تو وہ مباہلہ تھا لیکن یہ حکم قیامت تک کے لئے چلا آرہا ہے جب کسی مسئلے میں نزاع ہو تو کہہ دیجئے آپ کہ مباہلہ کرلو۔ اس اعتبار سے فیصلہ ہو جائے گا جس طرف یہ ہونگے وہ حق ہو گا اور جس کے خلاف یہ ہوں گے وہ باطل ہو جائے گا۔ ہر مسئلے کا پروردگار عالم نے قیامت تک کے لئے فیصلہ کردیا۔

جامن کیوں نہ پیدا ہو گئی - یہ کیا بات ہے - بات یہ ہے اس گٹنے کی حقیقت میں جتنے اجزا ہیں تا انہوں نے اپنی حقیقت کے مطابق اجزا زمین سے کھینچے - دوسروں کو چھوڑ دیا - چونکہ مناسب کھینچے اس لئے آخر میں جا کر وہ گنا ہی ہوا تو وہ جو غیر مناسب تھے ان کو چھوڑ دیا - معلوم ہوا اُن سے محبت ہے اور ان سے نفرت ہے -

یہ جسم جو بنتا ہے اس کے لئے ہم کھانا کھاتے ہیں اِسکا ہضم شروع ہو گیا منہ ہی کے اندر سے - پروردگارِ عالم نے دانتوں کی جڑوں میں دو چھوٹے چھوٹے سے مشکیزے ادہر ادہر بنا دیئے ہیں ان سے لعاب نکلتا ہے جس سے آپ لقمے کو تر کرتے ہیں اسطرح سے خشک روٹی اگر کھانے لگیں تو حلق میں پھنس جائے پروردگارِ عالم نے اندر ہی ایک لعاب پیدا کر دیا ہے کہ جب آپ چبانے لگتے ہیں تو ان مشکیزوں کے منہ کھل جاتے اور وہ اسکو تر کرتے رہتے ہیں - یہانتک کہ جب اتنا تر ہو جاتا ہے کہ گلے میں نہ پھنسے تو آپ نگل لیتے ہیں تو یہیں سے ہضم شروع ہو گیا اس کے بعد معدہ میں پہنچی یہی چیز - وہاں ہضم شروع ہوا - اسکی دیواروں میں پروردگارِ عالم نے کچھ ایسا تیزابی مادہ بنا دیا ہے کہ وہاں سے رسنا شروع ہوتا ہے اور اِس غذا میں ملتا ہے اور اسکو ہضم کرتا ہے پختہ ہو تی ہے آگے چلکر فضلہ ایک طرف ہو گیا اور جو خالص اجزا تھے وہ ایک طرف ہو کر مثلاً وہ جگر کیطرف بڑھا دیئے گئے

یہ جو الگ ہوئے اجزاء وہ اس لئے کہ جسم سے ان کو مناسبت نہ تھی اگر غیر مناسب اجزاء لے لے تو پھر بیماریاں پیدا ہو جائینگی

ا اب آپ دیکھئے کہ ہر چیز اس محبت پر قائم ہے۔ میں اگر وہاں تک لے جاؤں جہاں سے ایٹم بنتے ہیں۔ وہ جو پروٹون کے گرد جو الیکٹرون گردش کر رہے ہیں وہ کیوں گردش کر رہے ہیں اگر ان میں قوت تو الف نہ ہوتی۔ الفت نہ ہوتی تو چھوڑ بھاگتے۔ لئے ہوئے ہیں اس کو گردش کر رہے ہیں۔ ہے نا محبت۔ تو یہ وہاں سے شروع ہوئی محبت۔ اُن ذرّوں سے تو جب جسم ہی ہمارا ان سے بنا تو اس سے محبت کس وقت الگ ہو سکتی ہے۔ کھانا آپ چھوڑ سکتے ہیں ایک دن دو دن کے لئے۔ لیکن ان اجزاء میں اگر محبت نہ رہے ایک سیکنڈ کے لئے سب الگ الگ ہو جائیں۔ یعنی ایک سیکنڈ کے لئے محبت اگر دنیا میں نہ رہے تو آسمان تہہ و بالا ہو کر دنیا فنا ہو جائے تو محبت بڑی اہم چیز ہے سب سے زیادہ یہی ہے اس انسان میں۔

اب رہ گئی نفرت یہ کوئی اصل چیز نہیں ہے۔ اصل شئے ہے محبت۔ دشمنی کا مطلب کیا ہے جس سے محبت ہے اس محبوب کی مخالفت جہاں بھی نظر آئے گی۔ اُس سے نفرت ہو جائے گی۔ میرے محبوب سے دشمنی۔ تو اس سے نفرت۔ تو اصل وہی محبت ہے۔ محبوب کا جو بھی دشمن ہوگا اس سے نفرت کرنے

کی ضرورت نہیں یعنی یہ کہ خاص طور سے ہم نفرت کریں وہ محبّت خود نفرت پیدا کر دے گی۔ نفرت جو ہے وہ اس سے محبت کا لازمہ ہے۔

میرے بھائیو۔ کھانے پینے کی محبت۔ خواہشات کی محبت، ماں باپ کی محبّت۔ اور چیزوں کی محبت۔ دنیا میں جس قدر ضروریات ہیں اُن کی محبت۔ یہ الگ الگ محبتیں تقسیم ہوئی ہیں۔ عشق کیا چیز ہے۔ ان تمام محبتوں کے ایک مرکز پر جمع ہو جانے کا نام ہے عشق۔ عشق آسمان سے نہیں آتا ہے۔ یہی محبتیں سب اکٹھی ہو کر ایک جگہ آ جاتی ہیں اُس کا نام ہو جاتا ہے عشق۔ تو اب یہ آسان چیز نہیں تھی۔

جناب رسالتمآبؐ فرماتے ہیں کہ جب تمام دنیا کی محبتیں اپنے مقام سے ہٹ جاتی ہیں اور وہ ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں مثلاً خدا کی محبّت بن جاتی ہیں۔ تو سب سے آخر میں جو محبت دل سے نکلتی ہے وہ حب ریاست ہے کہ میں بڑا ہوں لوگ مجھے سلام کریں آن کر۔ لوگ میرے پاس آکر بیٹھیں اور میری تعظیم کریں یہ وہ چیز ہے جو سب سے آخر میں نکلتی ہے یعنی اولاد کی محبت نکل جاتی ہے۔ ماں باپ کی محبت نکل جاتی ہے اور دنیا کی محبتیں نکل جاتی ہیں لیکن حب ریاست وہ آخر میں نکلتی ہے۔

جناب رسالتمآبؐ فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنے اندر وہ چیز لیکر آیا

جائے تو کیونکر ممکن ہے کہ اس کے سامنے کوئی امر ناپسندیدہ سرزد ہو سکے۔ ہادیان دین اسی یقین کو لے کر عالم امکان میں قدم رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان سے کوئی فعل اس کے مرضی کے خلاف عمل میں نہیں آتا تھا۔

مرتبہ یقین کا ادنیٰ سا تصور اس طرح ہو سکتا ہے کہ بفرض محال اگر تمام دنیا کے اہل علم اس امر پر متفق ہو جائیں کہ مہدیؑ موعود کے آنے کی تمام احادیث موضوع ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں، اس حالت میں ایک شخص کے دل میں احتمال بھی اس کا نہ پیدا ہو تو وہ مرتبہ یقین پر فائز سمجھا جائے گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا شخص یقیناً کبریت احمر سے زیادہ نایاب ہے۔ جس کو عام طور سے یقین کہا جاتا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ عام لوگوں کے لیے ظن اطمینان ہوتا ہے نہ خود یقین۔ اس کو سمجھ لینے کے بعد اب ان خواتین معظمہ کا تصور کیجئے جو کربلا میں رسول کی نواسیوں کے ساتھ تھیں راستے کی مصیبتیں جھیلیں کبھی ان کی زبان آشنائے شکایت نہیں ہوئی۔ بھوک پیاس کی تکالیف برداشت کیں کوئی گلہ نہ کیا۔ وارث مارے گئے، صبر کامل کا مظاہرہ کیا۔ اپنی گود کے پالوں کو اپنے ہاتھوں سے سنوار کر خدمت امام میں پیش کیا۔ میدان میں بھیجا جب ان کی خاک و خوں میں غلطاں لاشیں آئیں تو شکر کے سجدے کئے۔ آج تک کسی نے ان کی زبان سے کلمہ شکایت نہیں سنا۔ سب سے زیادہ کٹھن اور صبر آزما ان کا دشمنوں کے قبضہ میں چلا جانا تھا، لیکن ان کے اعتقاد میں ذرہ برابر لغزش نہیں پیدا ہوئی۔

ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے کو قید و بند کی مصیبتوں سے نجات دلا دیتیں کیونکہ نہ ابن زیاد کو ان سے کوئی پرخاش تھی نہ یزید کو۔ ابن زیادہ و یزید کو دشمنی تھی تو خاندان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ اگر ان کو توہین و تذلیل مقصود تھی تو اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ لیکن کبھی کسی نے نہ اپنی رہائی کی فکر کی اور نہ ان مظالم سے چھٹکارے کا تصور کبھی ان کے دل میں آیا۔ ان کے

دل سے اپنی تکالیف کا خیال ہی معدوم ہو چکا تھا۔ انہیں اگر تکلیف تھی تو یہ کہ رسول زادیاں ان مصائب میں مبتلا ہیں۔

جب انسان دشمنوں کے ہاتھ میں آ جاتا ہے، تو فطرتاً اس کا دل کمزور ہو جاتا ہے۔ وہ دشمن کی مخالفت کرنے سے گھبراتا ہے۔ اور اگر یہ بھی معلوم نہ ہو کہ یہ قید کب تک ہے، اور یہ بھی علم ہو کہ مصائب میں کمی نہ ہو گی، بلکہ ہر روز ایک نئی مصیبت کا پیش خیمہ بن کر آتا ہو۔ تو ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ ایسے وقت میں بہادر سے بہادر بھی بزدل ہو جاتا ہے۔ دل کی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں، لیکن یہ خواتین مکرمہ یقین کی اس منزل میں پہنچی ہوئی تھیں، کہ جو دن نیا آتا تھا ان کے یقین کو زیادہ پاتا تھا۔ جو وقت گذرتا تھا ان کے اعتقاد و یقین کو زیادہ کرتا ہوا گذرتا تھا۔ یہ تمام مظالم یہ جانتے ہوئے برداشت کر رہیں تھیں کہ اگر ہم چاہیں تو رہائی ہو سکتی ہے۔ کسی وقت ان کی زبان پر اپنی مصیبتوں کے متعلق کلمہ تاسف جاری نہیں ہوا، کبھی انہوں نے نہیں کہا کہ ہم کب رہا ہوں گے یا کب وطن کو جائیں گے اگر کبھی کسی کا بچہ رو دیا تو اس کو یہ کہہ کر چپ کرایا کہ خبردار رونا نہیں شہزادی کو تکلیف ہو گی۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے زیادہ کون سا مرتبہ یقین ہو سکتا ہے ہمیشہ حفظ مراتب کا خیال رکھا۔ کبھی ایسا کلمہ یا ایسا فعل سرزد نہ ہوا۔ جس سے رسول کی نواسیوں کے حفظ مراتب میں فرق کا وہم ہو سکے۔

یہ لٹا ہوا قافلہ دربار یزید کے دروازہ پر پہنچا ہے۔ قیدی اونٹوں سے اتارے گئے اور زمین پر بٹھلا دیئے گئے ہیں۔ اس امر کا انتظار ہے کہ دربار آراستہ ہو جائے تب قیدیوں کی پیشی ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد آواز آئی کہ قیدی داخل دربار ہوں۔ یہ سنتے ہی تمام بی بیاں کھڑی ہو گئیں خود آگے ہو گئیں اور

رسولؐ کی نواسیوں جناب زینبؑ و کلثومؑ کو پیچھے کر لیا تاکہ جب دربار میں داخل ہوں اور اہل دربار کی نظریں پڑیں تو ہم پر پڑیں، شہزادیوں کو کوئی نہ دیکھے۔ اللہ اکبر! یہ تھا وہ یقین جس پر خود یقین کو بھی فخر ہے۔

جب یہ قیدی دربار میں پہنچے اور زمین پر بٹھلائے گئے تو آگے یہ خواتین بیٹھیں اور رسول کی نواسیوں کو اپنے پیچھے بٹھلایا۔ کیونکہ دیکھنے والوں کی نظریں ہم پر پڑ کر رک جائیں۔ شہزادیوں تک نہ پہنچیں۔ یہ تمام تدابیر کسی دباؤ کی وجہ سے نہ تھیں۔ یہ حفظ مراتب کسی طمع دنیاوی جہت سے نہ تھا بلکہ اس یقین کامل کی وجہ سے تھا جس کی وجہ سے سوائے تعظیم و تکریم و جلالت اہل بیت کے سوا تمام چیزیں ان کے دل سے مکمل محو ہو چکی تھیں۔

کیا اہل عالم اس یقین کی کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ واللہ! ہرگز نہیں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ خواتین اس مرتبہ یقین پر فائز تھیں تو ان کے وارث کیسے ہوں گے جو میدان کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ اور جب ان کی یہ منزلت ہے تو ان کا کیا کہنا ہو گا جو امام حسین علیہ السلام کی گود کے پروردہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ امام حسینؑ کا کمال تھا کہ آپ نے اپنی روحانی طاقت سے ان لوگوں کو ایسا بنا دیا تھا جن کا نظیر نہ کبھی چشم فلک نے دیکھا اور نہ قیامت تک دیکھا ہو گا۔

☆ .... واللہ کہ اے حسینؑ کارے کر دی .... ☆

امتحان !

پروردگار عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ :

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امناد وھم لا یفتنون ولقد فتن الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین ○

(ترجمہ) کیا لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم ان کو ان کے آمنا (ہم ایمان لائے) کہہ دینے پر چھوڑ دیں گے اور ان کا امتحان نہ لیا جائے گا اور بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کی یہی آزمائش کی جو ان سے پہلے تھے اس امتحان کے بعد اللہ یہ جان لیتا ہے کہ ان میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔

یہ آیت مبارکہ اس مطلب کو صراحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے کہ اس دار دنیا میں مدعیان ایمان کا امتحان لیا جاتا ہے ۔ خدا تو جانتا ہی ہے ۔ کہ کون اپنے دعویٰ ایمان میں سچا ہے ، اور کون جھوٹا ، لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے ۔ کہ امتحان دینے والے کو بھی پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور دیکھنے والوں کو بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا ایمان کتنا ہے اور بعض اوقات یہ ایک قسم کی اتمام حجت بھی ہو جاتی ہے ان لوگوں کے لیے جو اس امتحان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ وہ کل یہ نہ کہہ سکیں گے ۔ کہ ہم نے اس کی پیروی نہ جان کر کرلی تھی ۔

حقیقت یہ ہے کہ مومنین کا امتحان ان کی تربیت ہے ۔ اور تربیت کا مقصد اعلیٰ تکمیل ہے ۔ اس بنا پر یہ امر واضح ہے کہ ہر شخص کا امتحان اس کی قابلیت کے اعتبار سے لیا جاتا ہے ۔ اگر کم ہو تو جہل کے علاوہ خدا کا بخل لازم آئے گا اور اگر استعداد سے زیادہ ہو تو تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی جو محال ہے عقلاً

بھی اور شرعاً بھی خود فرماتا ہے کہ (**لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا**) یعنی خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اس میں انبیاء اولیا سبھی شامل ہیں چونکہ انبیا کی معرفت اور ان کی قوت قلب دیگر لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے اس لیے ان کا امتحان بھی سب سے زیادہ سخت ہوتا ہے جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (**اشد الناس بلاء الانبیا ثم الاولیاء ثم الا مثل فالا مثل**) یعنی سب سے زیادہ سخت امتحان انبیاء کا ہوتا ہے اس کے بعد اولیاء کا اس کے بعد جس کا جتنا مرتبہ ہے، اس کے اعتبار سے اس کا امتحان ہوتا ہے۔ چونکہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے افضل و اعلیٰ ہیں، اس لیے ان کا امتحان سب سے زیادہ سخت ہوا ہوگا اور یقیناً ہوا۔ اس کی تفصیل کے لیے زیادہ فرصت کی ضرورت ہے، اس لیے ہم خود آنحضرتؐ کے ایک ارشاد پر اکتفا کرتے ہیں۔ (**ما اوذی نبی کما اوذیت**) یعنی جتنی ایذاد تکلیف مجھے پہنچائی گئی اتنی کسی نبی کو نہیں پہنچی۔

المختصر ہر شخص کا امتحان اور اُس کی ابتلا اُس کے مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا ہی ہونا بھی چاہئے تھا۔ اس قاعدہ کلیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے عقلِ صریح حکم واضح کرتی ہے کہ اگر کسی کی منزلت اور اس کا مرتبہ معلوم ہو جاتا ہے تو حکم کیا جاتا ہے کہ اس کا امتحان بھی ایسا ہی ہوگا خواہ ہمیں اس کا امتحان معلوم ہو یا نہ ہو اور اسی طرح عقل حکم صریح کرتی ہے۔ کہ اگر کسی کا امتحان معلوم ہو جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کا مرتبہ اور اس کی منزلت پیش خدا کس قدر ہے۔ بہت سے انبیاء ایسے گذرے کہ ان کے حالات کا علم تو درکنار ان کے نام بھی کتابوں میں نہ آئے۔ اس لیے ان کے امتحانات کی تفصیل کیونکر معلوم ہو سکتی ہے۔ لیکن کچھ انبیاء ایسے ضرور ہیں جن کے نام بھی قرآن پاک یا کتب تاریخ میں آگئے ہیں اور ان کے امتحانات بھی ہمیں

معلوم ہیں ان میں سے بعض انبیا اولوالعزم اور صاحبان شریعت ہیں جو تمام دیگر انبیاء سے افضل و برتر ہیں۔

جب ہم ان کے امتحانات پر غور کرتے ہیں تو ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ بلاشبہ یہ امتحانات عام طاقت انسانی کے عمل و برداشت سے باہر ہیں اور ہونا بھی ایسا ہی چاہئے تھا۔

لیکن اس کے مقابلہ میں جب جناب امام حسینؑ کے امتحان پر نظر پڑتی ہے تو وجدان صحیح بغیر کسی تامل کے آواز دیتا ہے کہ ایسا امتحان نہ عالم امکان میں کبھی ہوا اور نہ ایسا امتحان دینے والا کبھی پیدا ہو سکتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے اس امتحان سے قطع نظر کرتے ہوئے جو نانا کے انتقال کے بعد سے مدینہ کی روانگی تک ہوتا رہا۔ بلکہ مدینہ سے روانگی کے بعد درود کربلا تک جو امتحانات ہوئے ان سے بھی چشم پوشی کرتے ہوئے صرف روز عاشورا کے امتحان ہی پر نظر ڈالی جائے تو صاحب بصیرت یہ حکم لگانے پر مجبور ہو جائے گا ماسوائے ختمی مرتبت تمام انبیاء کرام کے تمام امتحانات مجموعا ایک طرف اور امام حسین علیہ السلام کے صرف ایک دن کے امتحانات دوسری طرف اگر پلہ میزان میں رکھے جائیں تو یقیناً وہ پلہ بھاری ہو گا جس میں امتحان سید الشہدا ہے۔

انبیاء کے امتحانات انواع امتحان ہی سے کسی ایک نوع سے تعلق رکھتے تھے مثلاً قوم کی ایذا۔ فرزند کی قربانی گرفتاری کے بعد ارادہ صلیب وغیرہ وغیرہ لیکن امام حسینؑ کے لیے کوئی نوع امتحان ایسی نہیں رہی جس میں آزمائش نہ کی گئی ہو بچپنے کے دوستوں کے قتل بھانجوں اور بھتیجوں اور بھائیوں کی لاشیں اٹھانا ۔ بیٹوں کے جسم پاش پاش کو خیموں میں لانا اور ہر مقام پر شکر خدا بجا لانا۔ بہنوں ، **بھانجیوں** ، بھتیجیوں اور بیٹیوں کی قید و بند کی مصیبتیں آنکھوں کے سامنے ان تمام مصائب میں ایک منٹ کی لیے بھی نہ گھبرانا اور نہات کشادہ پیشانی سے ان

تمام مظالم کو برداشت کرنا ۔ یہ تمام وہ امتحانات تھے جو عالم کے تصور میں بھی نہ آسکتے تھے ۔ ان تمام امتحانات کو اس شان سے ختم کیا کہ کسی ایک وقت بھی پیشانی صبر و شکر پر بل نہ آیا ۔

میں یقین کامل کے ساتھ یہ کہنے میں باک نہیں سمجھتا ہوں کہ جو شخص بھی تعصب سے الگ ہو کر ' اور انصاف و ایمان داری سے ان حالات کو دیکھے گا وہ بلا شبہ یہ فیصلہ دینے پر مجبور ہو گا کہ امام حسینؑ کے امتحانات تمام انبیاء کرام سے بلند اور بہت زیادہ ہیں اور جب یہ حکم عقلی صحیح ہے تو پھر اس قاعدہ کلیہ کے اعتبار سے جو بیان کیا جا چکا ہے یہ کہنا بلا شبہ صحیح ہو گا کہ امام حسینؑ تمام انبیاء سے افضل ہیں ۔

اس حکم سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس لیے مستثنیٰ کرنا لازم ہو گا کہ امام حسین علیہ السلام کے تمام امتحانات ایک طرف ۔ حسین کے امتحانات ' اور دوسری طرف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے امتحانات تھے ۔ اس لیے فرمایا کرتے تھے **حسین منی و انا من الحسین** حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں اور رسول اللہ امام حسینؑ سے اس لیے افضل ہیں کہ حسینی امتحانات کے علاوہ رسول کے اور بھی امتحانات تھے ۔

ہماری یہ بات بعض تنگ نظروں کو اچھی نہ لگے گی لیکن کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ حسینؑ ہی کا فرزند ہے جو انبیاء کا امام ہو گا ۔ یعنی مہدیؑ آخری الزماں جو دلیل افضلیت ہے اور ظاہر ہے کہ امام حسینؑ ان سے بھی افضل ہیں ۔

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱) شیخ صدوق
۲) علامہ مجلسی
۳) علامہ اظہر حسین
۴) علامہ سید علی نقی
۵) بیگم و سید عابد علی رضوی
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی
۷) بیگم و سید رضا امجد
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی
۹) بیگم و سید حسن
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری
۱۱) بیگم و سید سجاد حسین
۱۲) بیگم و مرزا آقا حیدر علی
۱۳) سید حسین عباس فرحت
۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی
۱۵) سید انعام حسین زیدی
۱۶) سیدہ واحدہ بیرہ
۱۷) سیدہ رضویہ خاتون
۱۸) سید نجم الحسن
۱۹) سید مبارک رضا
۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی
۲۱) بیگم و مرزا محمد ہاشم
۲۲) سید باقر علی رضوی
۲۳) بیگم و سید باسط حسین
۲۴) سید عرفان حیدر رضوی
۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲۶) سید ممتاز حسین
۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۲۸) سید محمد علی
۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۳۰) سید مظفر حسین
۳۱) سید باسط حسین نقوی
۳۲) علامہ محی الدین
۳۳) سید ناصر علی زیدی
۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۳۵) ریاض الحق
۳۶) خورشید بیگم